مجلس ادارت

(۱) جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی، صدر

(۲) جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، رکن

(۳) جناب ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی، "

(۴) جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی "

(۵) شاہ معین الدین احمد ندوی مرتب

(۶) سید صباح الدین عبد الرحمن ایم اے، شریکِ مرتب

جلد ۷۰ ماہ ذی حجہ ۱۳۷۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۵۲ء عدد ۳

مضامین

شذرات

مسلمان کیا دنیا کا کوئی صاحب مذہب بھی اپنے پیغمبر کی توہین برداشت نہیں کرسکتا، اس لئے مسلمانون نے امرت بزار پتریکا کے خلاف جس قدر احتجاج بھی کیا وہ کم ہے، زیادہ سے زیادہ اس کے طریقے اور موقع ومحل سے کسی کو اختلاف ہوسکتا ہی، مگر جو شخص بھی دین وملت بلکہ تہذیب وشرافت رکھتا ہے، وہ اس پر اعتراض نہیں کرسکتا، چنانچہ قریب قریب ہر مقام کے سنجیدہ ہندوؤن نے بھی امرت بزار پتریکا کے خلاف اظہار بیزاری کیا، مگر ہندوستان کی فضا اتنی زہریلی ہے کہ ہر چیز فرقہ وارانہ شکل اختیار کرلیتی ہے، چنانچہ فرقہ پرستون نے جو مسلمانون کے خلاف دل کا غبار نکالنے کے لئے موقع کے منتظر ہی رہتے ہیں، اس مسئلہ کو بھی فرقہ وارانہ شکل دیدی، اور مسلمانون کے سواد اعظم کو چھوڑ کر جنھون نے یوم آزادی کی مخالفت مین کوئی حصہ نہیں لیا محض ان کی ایک محدود ومختصر جماعت کے وقتی اور جذباتی فعل کو آڑ بنا کر مسلمانون کے خلاف جو جو فتنہ انگیزیان کی ہین، اور پوری مسلمان قوم کو جس طرح نشانۂ ملامت بنایا ہے، وہ حد درجہ افسوسناک ہے،

فرقہ پرستون سے تو اس کی شکایت بیجا ہے، ان کا تو کام ہی مسلمان دشمنی ہے اور ان کا وجود ہی اسی سے وابستہ ہے، مگر حیرت ان گندم نما جو فروش کانگریسیون پر ہے جو کسی موقع پر بھی مسلمانون کی مخالفت سے نہیں چوکتے، چنانچہ اس موقع پر بھی انھون نے ان کو غدار وغیرہ کے پرانے اور پٹے ہوئے القاب دے ڈالے جن کی اب کوئی اہمیت باقی نہیں ہے، اور نہ اس سے کوئی مسلمان متاثر ہوسکتا ہے، درحقیقت مسلمان نہیں بلکہ وہ لوگ غدار ہین جو اپنے ذاتی اغراض کے لئے فرقہ پرستی کی آگ بھڑکا کر ملک کو نقصان پہنچاتے ہین مگر

یہ سارا زور مسلمانون ہی کے مقابلہ مین ہے، سکھون کے مقابلہ مین کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی، جنھون نے اب کے بھی یوم بربادی منایا، اور ان کے اخبار پربھات نے فرقہ پرستون کو چیلنج کیا،

اس قسم کے معاملات مین حکومت اور مسلمانون دونون کو اپنی پوزیشن اور ذمہ داری پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ہندوستان کے مسلمان جس نازک دور سے گذر رہے ہین، اس کا ان کو پورا اندازہ ہوگا، فرقہ پرست ہر وقت ان کی تاک مین لگے رہتے ہین، اور ان کی ادنی بے احتیاطی سے ان کے خلاف طوفان کھڑا ہوسکتا ہے، ان حالات مین ان کے لئے بڑی احتیاط اور ہوشمندی کی ضرورت ہے، اور اشتعال کے موقعون پر بھی ان کو ضبط وتحمل کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے اور ایسا دانشمندانہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے ان کے حقوق اور عزت ووقار کو بھی صدمہ نہ پہنچے، اور فرقہ پرستون کو بھی ان کی مخالفت کا کوئی بہانہ نہ مل سکے، اور ان نادان دوستون سے بھی بچنا چاہئے جو اپنی لیڈری اور ذاتی اغراض کے لئے پوری قوم کے نقصان کی پروا نہیں کرتے،

حکومت پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسکی کمزوری سے مسلمانون کے مقابلہ میں فرقہ پرستون کا قلم اور زبان بالکل آزاد ہے، وہ ان کے خلاف جو طوفان بھی بپا کرین، ان پر کوئی احتساب نہیں، چنانچہ اسی احتجاج کے سلسلہ مین مسلمانون کے خلاف جیسی اشتعال انگیز تقریرین ہوئی ہین اور جیسے زہریلے مضامین لکھے گئے، ان سے ہر وقت فتنہ وفساد کی آگ بھڑک سکتی ہے، دہلی بمبئی، پونہ وغیرہ مین تو ایسے شرمناک مظاہرے کئے گئے، جن سے انسانیت وشرافت کی گردن جھک جاتی ہے، اگر حکومت کے کانون پر جون تک نہ رینگی، مسلمانون کی خاطر نہ سہی، کیا ملک کے امن وامان کے لئے بھی حکومت ان کی جانب توجہ نہین کرسکتی تھی، اگر مسلمانون کی جانب سے ہندوؤن کے خلاف اس کا عشر عشیر مظاہرہ بھی ہوتا، تو معلوم نہیں کتنے مسلمان جیل پہنچ گئے ہوتے، کیا سیکلرزم کے یہی معنی ہین جس کا ڈھنڈورا ساری دنیا مین پیٹا جاتا ہے جب تک اس ملک مین ہر فرقہ کے حقوق اور ان کی عزت وناموس محفوظ نہیں ہے اسوقت تک دنیا کو محض سیکلرزم کے لفظ سے دھوکا نہیں دیا جاسکتا،

شذرات

ہم نے جولائی کے معارف میں ہندوستان کے اسلامی کتب خانوں اور اسلامی علوم و فنون کی نادر و نایاب کتابوں کے تحفظ کی جانب توجہ دلائی تھی، اس تجویز کے جواب میں ہم کو حکومت کشمیر کے محکمۂ ریسرچ اینڈ پبلیکیشن کی جانب سے ایک مراسلہ موصول ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کشمیر کے قدیم ادب اور شیومت کے فلسفہ کی تحقیق و اشاعت کے لئے حکومت کشمیر کی جانب سے عرصہ سے ایک ادارہ قائم ہے، اب از سر نو اس کی تنظیم اور توسیع ہو رہی ہے، اور اس میں قرون وسطیٰ کی تہذیب و تاریخ و ادب کا شعبہ بھی قائم کر دیا گیا ہے جس میں دوسری ہندوستانی زبانوں کے علاوہ عربی اور فارسی کی اہم مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں فراہم کی جا رہی ہیں، اور نادر قلمی کتابوں کے فوٹو لینے کے لئے مائکروفلم یونٹ کا بھی انتظام کیا گیا ہے، اس کے ذریعہ ہندوستان کے اسلامی کتب خانوں کی نادر و نایاب قلمی کتابوں کے فوٹو حاصل کئے جائیں گے، اور اس کام میں دار المصنفین سے مدد کی درخواست کی گئی ہے، حکومت کشمیر کا یہ اقدام نہایت مبارک اور لائق تحسین ہے، دار المصنفین اس کار خیر میں ہر ممکن اعانت کے لئے ہمیشہ تیار رہے گا،

ادارۂ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد عرصہ سے فقہ حنفی کی اہم کتابوں کی طبع و اشاعت کی خدمت انجام دے رہا ہے اور اب تک کئی کتابیں شائع کر چکا ہے، اب اس نے امام طحاوی کی مختصر الطحاوی شائع کی ہے، یہ فقہ حنفی کی بہت قدیم اور اہم کتاب ہے، اس میں اختصار و جامعیت کے ساتھ فقہ کے امہات مسائل ان کی معتبر روایات اور فقہاء و ائمہ کے مختار اور صحیح اقوال و مذاہب کو جمع کر دیا گیا ہے، اس کے قلمی نسخے بہت نادر و نایاب تھے، ادارہ کے لائق ناظم مولانا ابو الوفا افغانی نے مصر اور آستانہ کے بعض کتب خانوں سے اس کی ایک نقل اور ایک فوٹو حاصل کر کے ان کی مدد سے یہ صحیح نسخہ مرتب کیا ہے اور حواشی میں اختلاف نسخ کو واضح کیا ہے، اور اپنے مفید حواشی و تعلیقات کے ساتھ اس کو شائع کیا ہے، کتاب قاہرہ میں نہایت عمدہ کاغذ اور ٹائپ میں چھپی ہے، اور ادارہ مذکور سے ملے گی،

اردو علاقائی زبان کی مہم کو تکمیل تک پہنچانے کی آخری کوشش ہو رہی ہے، اس کے بعد اب اس کی مدت میں توسیع نہ ہوگی، اس لئے اردو کے حامیوں کو پوری سرگرمی سے کام لیکر اس مہم کو جلد ختم کر دینا چاہئے، جن لوگوں نے اب تک اس میں عملی حصہ نہیں لیا ہے اور ان کو اس سے دلچسپی ہے، ان کو سکریٹری اردو علاقائی زبان کمیٹی نظیر آباد لکھنؤ سے خط و کتابت کرنی چاہئے، اور جو لوگ پہلے سے کام کر رہے ہیں، انھیں چاہئے کہ جن لوگوں کے ذریعہ اس کام میں مدد مل سکتی ہو، ان کے پتے دفتر مذکور کو اطلاع دیں،

مقالات

استنبول کے کتب خانے

از

ڈاکٹر محمد غوث، ام اے، پی ایچ، ڈی

"گذشتہ ستمبر میں استنبول میں مستشرقین کی جو بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی، اس کی مختصر روداد ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے قلم سے مارچ کے پرچہ میں شائع ہو چکی ہے، اب ایک دوسرے شریک کانفرنس فاضل ڈاکٹر محمد غوث نے اس کے کسی قدر تفصیلی حالات لکھ بھیجے ہیں جس میں پہلی روداد سے کچھ زیادہ معلومات ہیں، اس لئے ان کو شائع کیا جاتا ہے، امید ہے کہ معارف کے ناظرین اس کو دلچسپی سے پڑھیں گے"

"م"

گذشتہ ستمبر میں استنبول میں مستشرقین کی بین الاقوامی کانگرس کا بائیسواں اجلاس منعقد ہوا، اس میں شرکت کے سلسلہ میں مشرق وسطیٰ میں چار مہینوں کے سفر کا موقع حاصل ہوا، کانگرس ختم ہونے کے بعد ترکی کے شہروں اور قصبوں میں کتب خانوں، عجائب خانوں اور کتابوں کی نمائشوں کو دیکھنے کے لئے تین ہفتوں کا دورہ کیا گیا، اور بروسہ، بالکی سر، فیسا، افیون قرہ حصار، کوتاہیہ، انکی شہر، قونیہ اور انقرہ میں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کے متعدد سرکاری اور غیر سرکاری ذخیرے دیکھے، ترکی سے واپس ہوتے ہوئے حلب، بیروت، دمشق، بیت المقدس اور بغداد میں حکومتوں

یونی ورسٹیون اور علمی اداروں کے کتب خانون اور عجائب خانون کو بھی دیکھنے کا موقع ملا، ہر جگہ کتب فروشون کی چھوٹی بڑی دکانین بھی دیکھین

ترکی اور دوسرے مقامون کے ذمہ دارون نے کتابون کی تنظیم، فہرستون کی ترتیب اور دوسرے نظم ونسق کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کا بڑی کشادہ دلی اور اخلاق کے ساتھ انتظام کیا، اس سفر مین جو معلومات حاصل ہوئے، ان مین دوسرے ذوق آشناؤن کو بھی شریک کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، اور ان کو مضمون کی شکل مین ناظرین معارف کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے، اس مضمون مین صرف استنبول کے کتبخانون کا ذکر کیا جائے گا، اور انشاء اللہ دوسرے مقامات کے کتبخانون اور دوسرے علمی و تعلیمی حالات کو دوسرے مضمون مین قلمبند کیا جائے گا، واللہ الموفق،

استنبول کے کتب خانے زمانۂ قدیم سے مشہور ہین، اور دور دور تک اُن کی شہرت ہے، یہ کتبخانے ترکون کے اعلیٰ علمی ذوق اور خدمت علم کی ایسی شہادت ہین، جس کی تردید ممکن نہین،

ترکی کے شہرون اور قصبون مین جہان جائیے ہر جگہ ترکون کی تعمیری قابلیت اور تنظیمی قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے، ترکون کی قوم عملی قوم ہے، کچھ کرکے دکھانے کا شوق اس کی قومی خصوصیت ہے، یہ خصوصیت کتبخانون کے دیکھنے سے بھی ظاہر ہوتی ہے،

صدیون قبل سے استنبول کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے شہرون اور قصبون تک کے لوگ کتابین جمع کرنے اور اُن کی حفاظت کے انتظامات کے شائق رہے ہین، اور اب جب کہ ان کتابون کو قومی اثاثہ قرار دیا جا رہا ہے، اُن کی اہمیت اور قیمت سے واقف ہوتے جا رہے ہین، اور خوشی خوشی اپنے بزرگون کی اچھی اور نادر کتابین سرکاری کتب خانون مین محفوظ کراتے چلے جا رہے ہین، اور کتابون کا ایسا بیش قیمت ذخیرہ بہترین انتظامات کے ساتھ عام استفادہ کے لئے مہیا ہوتا جا رہا ہے، جس کے اثرات علمی دنیا مین بہت گہرے ہون گے،

استنبول مین اولاً مسجدون اور دوسری مذہبی عمارتون مین کتابون کی فراہمی شروع ہوئی تھی پھر اُن کے احاطون مین مخصوص حجرے تعمیر کرکے ان مین کتابون کو جمع کرنا شروع کیا گیا تھا، پھر بعد مین کتب خانون کے لئے مستقل عمارتین تعمیر ہوئین،

پہلی دو قسمون کے کتب خانون کے لئے کتابون کی فراہمی سلطان محمد فاتح نے شروع کی تھی، اور مسجد ایوب مین اس کی ابتدا ہوئی، گویا ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء مین استنبول کے فتح ہوتے ہی مسجد ایوب مین کتابین بھی فراہم ہونے لگین،

مسجدون سے الگ سب سے پہلا مستقل کتب خانہ استنبول مین قائم ہوا جو کوپرولو کا کتب خانہ کہلاتا ہے، ۱۰۷۲ھ/۱۶۶۱ء مین یہ کتب خانہ قائم ہوا، اس کتب خانہ کی بلند و بالا نفیس اور شاندار عمارت کے ساتھ اس کی کتابین بھی مشہور عالم ہین،

یون تو ہر عالم کے ہان کارآمد اور ضروری کتابون کا ذخیرہ ہوتا ہی تھا، لیکن آگے چل کر کتابون کو عام استفادہ کے لئے وقف کرنے کا رواج شوق کی حد تک پہنچ گیا، چنانچہ کتب خانون کے علم دوست بانیون نے جو خود بھی بڑے عالم و فاضل ہوتے تھے، نہ صرف کتابین وقف کین، بلکہ اُن کے رکھ رکھاؤ، اور اعلیٰ درجہ کے انتظام و اہتمام کے لئے بڑی بڑی جائدادین بھی وقف کین،

وقف نامون مین کتب خانہ کے ملازمین کے تقرر وغیرہ کے علاوہ کتب خانہ کے روزانہ کھلنے اور بند ہونے کے اوقات تک کی صراحت ہوتی تھی،

ترکی کے طول و عرض مین جو بے شمار کتب خانے قائم ہوئے، اُن کی عمارتون اور کتابون کے ذخیرون کو آگ اور زلزلون سے بھی بہت نقصان پہنچا، ایسے اوقاف جو سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ملکون اور علاقون مین قائم کئے گئے تھے، پہلی جنگ عظیم کے بعد اُن سے ہاتھ دھونا پڑا، اس لئے اس جنگ کے بعد یہ کوشش شروع کی گئی کہ کتابین مزید حفاظتی انتظامات کیساتھ

موزون عمارتون مین جمع کی جائین، اور کتب خانون کی خاص خاص خصوصیتین بھی برقرار رکھی جائین، اور ناظرین وشائقین کو بھی زیادہ سے زیادہ سہولت وآسانی حاصل ہو،

چنانچہ اس وقت سارے استنبول کے (۵۸) کتب خانون کو (۱۱) کتب خانون مین ضم کر دیا گیا ہے،

استنبول اور مملکت ترکیہ مین جو کتب خانے موجود ہین، اُن کی تفصیل حسب ذیل ہی،

(۱) ایسے کتب خانے جن کے اخراجات سررشتہ تعلیمات کی وساطت سے مرکزی حکومت برداشت کرتی ہے، ترکی حکومت مین ۴۹ ہین جن مین ۳۰ شہر استنبول مین ہین،

ان کتب خانون مین وہ کتب خانے شامل نہین ہین جن کے اخراجات گو حکومت ہی بالواسطہ یا بلاواسطہ برداشت کرتی ہے، لیکن جو یونیورسٹیون یا دوسرے سرکاری ادارون سے متعلق ہین، عجائب خانون سے ملحق کتب خانے بھی جدا ہین،

(۲) وہ کتب خانے جن کے اخراجات اضلاع کی حکومت برداشت کرتی ہے، اور وہ سررشتہ تعلیمات کی عام نگرانی مین ہین،

(۳) وہ کتب خانے اور دارالمطالعہ جو پبلک کے خرچ سے اور اُن کے انتظام کے تحت چلائے جاتے ہین، (۲۰۸) ہین،

(۴) ایسے کتب خانے جو خانگی انجمنون یا علم دوست افراد نے قائم کئے ہین، ملک بھر مین پھیلے ہوئے ہین، چنانچہ ازمیر (سمرنا) کا قومی کتب خانہ اسی نوعیت کا ہے،

(۵) علمی ادارون کے کتب خانے جن کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے، مثلاً لسانی ادارہ اور انجمن تاریخ کے کتب خانے،

اس وقت استنبول مین جو کتب خانے موجود ہین، ان کے نام یہ ہین،

۱- عجائب خانۂ آثار قدیمہ کا کتب خانہ، ۲- کتب خانۂ عاطف آفندی،
۳- کتب خانۂ ابا صوفیا، ۴- کتب خانۂ بلدیہ،
۵- کتب خانۂ عمومی بایزید، ۶- کتب خانۂ مسجد فاتح،
۷- کتب خانۂ خسرو پاشا، ۸- کتب خانۂ کوپرولو،
۹- نت کتب خانہ، ۱۰- کتب خانۂ مراد ملا،
۱۱- نور عثمانیہ کتب خانہ، ۱۲- کتب خانۂ راغب پاشا،
۱۳- کتب خانۂ سلیم آغا، ۱۴- کتب خانۂ عام سلیمانیہ،
۱۵- کتب خانۂ توپ قپو سرائے، ۱۶- کتب خانۂ انجمن ترکیات،
۱۷- کتب خانۂ استنبول یونیورسٹی، ۱۸- کتب خانۂ ولی الدین آفندی،

ان مین سے بعض کتب خانے روزانہ صبح کے ۹ بجے سے شام کے ۵ بجے تک کھلے رہتے ہین بعض کتبخانون مین مہینہ مین ایک مرتبہ سہ شنبہ کو باری باری سے صفائی کے لئے تعطیل ہوتی ہے،

عموماً سب کتب خانون مین داخلہ کی عام اجازت ہے لیکن عجائب خانۂ آثار قدیمہ کے کتبخانہ، کتب خانۂ بلدیہ، توپ قپو سرائے کے کتب خانہ اور یونیورسٹی لائبریری مین داخلہ خاص اجازت سے ہوتا ہے، ان کتب خانون کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات سرکاری دفترون کے اوقات کے مطابق ہین،

اور جن کتب خانون کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان مین سے بعض کی کتابین کل کی کل مطبوعہ ہین، مثلاً عجائب خانۂ آثار قدیمہ کا کتب خانہ، اس مین بیس ہزار کتابین ہین جو سب مطبوعہ ہین، اسی طرح ادارۂ ترکیات کے کتب خانہ مین (۱۲۰۰۰) کتابین موجود ہین، لیکن یہ بھی تمام کی تمام مطبوعہ ہین،

ان مین سے بعض کتب خانون کو مطبوعہ کتابون کے ذخیرہ ہی کی وجہ سے امتیاز حاصل ہے لیکن ان

قلمی کتابین بھی کچھ نہ کچھ موجود ہین، جیسے بدیہ کا کتب خانہ، اس کتب خانہ مین (۵۲۲۶۶) کتابین جمع ہین لیکن قلمی کتابین صرف (۲۳،۰۱) ہین،

بعض کتب خانون مین اصلی ذخیرہ قلمی کتابون کا ہے، لیکن مطبوعہ کتابین بھی موجود ہین مثلاً کتب خانہ ایا صوفیا مین (۰۹۹۴) مخطوطات کا ذخیرہ ہے لیکن مطبوعہ کتابون کی کل تعداد صرف (۴۴) ہے،

بعض کتب خانون مین مطبوعہ اور مخطوطہ دونون قسم کی کتابون کا بڑا وافر ذخیرہ ہے مثلاً بایزید عمومی کتب خانہ مین (۴۹۶۷) مخطوطات اور (۹۱۲۱۷) مطبوعہ کتابین ہین، اسی طرح یونیورسٹی کے کتب خانہ مین (۱۶۵۳۱) مطبوعہ کتابین، اور (۴۴۷۱۱) مخطوطات ہین،

غرض استنبول کے موجودہ کتب خانون مین (۳،۴۴،۱۲۳) مخطوطات استفادۂ عام کے لئے ہر طالب علم کی دسترس مین ہین، اور ابھی نجی کتب خانون اور کتابون کو حکومت، یا کتب خانون کے سپرد کردینے کا سلسلہ جاری ہے،

تحت لائبریری مین جو کتب خانے شامل کئے گئے ہین، اُن مین سے سب کو علٰحدہ علٰحدہ کمرون مین رکھا گیا ہے،

ان تمام کتب خانون مین حسب ضرورت فرنیچر، دوسرے ضروری سامان اور خوش اخلاق و مستعد عملہ موجود ہے، سامان ایسا ہے جس سے شان و شوکت کا بھی اظہار ہوتا ہے، صفائی اور پاکیزگی تو ایک عام بات ہے، جس کا مشاہدہ ہر جگہ ہوتا ہے،

ہر کتب خانہ مین کارڈ کیٹیلاگ کو رواج دیا جارہا ہے، قلمی کتابون کی فہرستین رجسٹرون مین بھی ہین،

صرف ایک شہر مین ایک لاکھ سے زیادہ قلمی کتابون کا بہترین انتظامات کے ساتھ استفادۂ عام

کے لئے مہیا ہونا علمی دنیا کے لئے ایک غیر معمولی بات ہے،

یہ ساری قلمی کتابین عربی، ترکی اور فارسی کی ہین، مگر زیادہ تعداد عربی کتابون کی ہے،

یورپ اور دوسرے ملکون کے بڑے بڑے کتب خانون مین صرف چند ہزار عربی اور فارسی اور ترکی قلمی کتابین ہین [1] لیکن چونکہ اُن کی تفصیلی فہرستین بڑی محنت و قابلیت اور بڑی جانکاہی سے مرتب کی گئی ہین، بڑے اہتمام سے چھاپی گئی ہین، اور آسانی سے حاصل ہو جاتی ہین، اس لئے اُن کی عام شہرت ہو گئی لیکن استنبول کے اس عظیم الشان ذخیرہ پر جب کچھ اصحاب علم اپنی عمرین صرف کر دین گے، اس وقت اس کی اہمیت اور ندرت کا عام اندازہ ہو سکے گا، خوشی کی بات ہے کہ اس کا اہتمام ہو رہا ہے، چنانچہ وزارتِ تعلیمات کے تحت کتب خانون کے ڈائرکٹر کی نگرانی مین ایک خاص کمیشن استنبول کے کتب خانون کی فہرستین مرتب کرنے کے لئے مامور ہوا ہے،

اس مضمون مین ہر کتب خانہ کے الگ الگ حالات اور خصوصیات بیان کرنے کی گنجائش دشوار ہے، اس لئے صرف استنبول یونی ورسٹی لائبریری کے متعلق کچھ وضاحت یہان کی جاتی ہے،

اس کتب خانہ کا آغاز ۱۹۲۴ء مین ہوا، اس کی تین منزلہ عمارت یونیورسٹی کی مرکزی عمارت سے علٰحدہ لیکن اُسی کے قریب واقع ہے، استنبول کی موجودہ یونیورسٹی کے قیام سے پہلے جو دار الفنون قائم تھا اس کے

---

[1] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کتب خانون کی کتابون کے اعداد کا یہان ذکر کر دیا جائے، اس کی تفصیل کے لئے خود ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے،

پورے استناد کے ساتھ اعداد بیان کرنا مشکل ہے، اس لئے کہ اس وقت تک اس کا مستند مواد بہت کم فراہم ہو سکا ہے، جو اعداد معلوم ہین، وہ ۸، ۹ سال بلکہ ۱۰، ۵، ۶ سال قبل کے ہین تاہم عمومی اندازہ کے لئے فی الجملہ یہ اعداد کافی ہین،

برٹش میوزیم مین مخطوطات فارسی کی تعداد = ۲۹۶۱ ہے،

شعبہ ہائے ادبیات، سائنس، دینیات اور قانون کی کتابین اس کتب خانہ کے لئے دے دی گئین، بعد
دوسرے خانگی کتب خانے بھی اس مین شامل کر دیئے گئے، حکومت نے سلطان عبدالحمید خان ثانی کا کتب خانہ
بھی اس کو دے دیا، اس طرح کتب خانہ کے قیام کے بعد سے کتابون کے اضافہ کا سلسلہ برابر جاری رہا،
۱۹۳۳ء مین جب یونیورسٹی کی جدید تنظیم ہوئی، اور مختلف شعبون (فکلٹیز) نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ
کتب خانون کا قیام ضروری سمجھا، اُس وقت سے یونیورسٹی لائبریری مین جو کتابین فراہم کی جاتی ہین
اُن کی نوعیت یہ ہے،

۱۔ ایسی کتابین جو انسائیکلو پیڈیا یا ببلیوگرافی کی نوعیت کی ہون،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱) ڈاکٹر ریو نے فارسی کیٹلاگ کے دیباچہ مین لکھا ہو کہ برٹش میوزیم مین عربی مخطوطات کی تعداد
... تک نہین پہنچتی ہے، اور دوسری مشرقی زبانون کی قلمی کتابین اور بھی کم ہین، انڈیا آفس میں فارسی مخطوطات
کی تعداد ۳۰۴۷ ہے،

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مین فارسی مخطوطات کی تعداد کرزن کلکشن کو ملا کر کل ۲۳۵۰ ہے،
بمبئی یونیورسٹی مین عربی فارسی اور اردو مخطوطات = ۱۷۶، مدراس کے مشرقی مخطوطات کے کتب خانہ مین
عربی فارسی اور اردو مخطوطات ۲۵۹۰، نیشنل لائبریری کلکتہ کی بوہار کتب خانہ مین عربی فارسی قلمی کتابین
کل ۴۴۰ ہین، بانکی پور کی خدا بخش لائبریری میں ۲۲۵۱ فارسی کے اور (۲۷۴۲) عربی کے مخطوطات ہین، حیدرآباد
دکن کے کتب خانہ آصفیہ مین غیر سرکاری اطلاع کے بموجب جو مجلہ نوائے ادب بمبئی مین شائع ہوئی ہے عربی
فارسی اور اردو مخطوطات کی تعداد (۱۴۰۰۰) ہے، حیدرآباد کے کتب خانہ سعیدیہ مین قلمی کتابون کی تعداد ۲۱۵۱
یا اس سے کچھ زیادہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی مین قلمی کتابین (۱۴۰۰۰) ہین، یہ اعداد محض اندازہ کے لئے
بیان کئے گئے، ورنہ صحیح اعداد اور دوسری تفصیلات معلوم کرنے کے لئے کافی دقت کی
ضرورت ہے،

۲۔ وہ کتابین جن کا تعلق عام ادب سے ہے،

۳۔ وہ کتابین جو قدیم ترکی رسم الخط (عربی رسم الخط) مین لکھی گئی ہون،

۴۔ ۱۹۳۴ء مین یہ قانون منظور ہوا کہ مملکت ترکیہ مین جو بھی کتاب، رسالہ یا اخبار طبع و شائع ہو
اس کا ایک نسخہ اس یونیورسٹی لائبریری مین محفوظ کیا جائے،

۵۔ تبادلہ مین بعض یورپین یونیورسٹیون سے سائنٹفک مطبوعات حاصل کیجاتی ہین،

اس کتب خانہ کا ذخیرہ کتب مطبوعات اور مخطوطات دونون پر مشتمل ہے، مطبوعہ کتابون کے بڑے
حصہ کا موضوع یا مشرقی ہی، یا ترکی مملکت، ترکی مطبوعات کے لئے یہ کتب خانہ ساری دنیا مین خصوصی نوعیت
کا حامل ہے،

اس یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطات جو کم و بیش بیس ہزار ہین، ترکی، عربی اور فارسی زبانون کے ہین
اور ان مین بے شمار ایسے نسخے بھی شامل ہین، جو خطاطی، مصوری، نقاشی، اور جلد سازی کا بے مثل نمونہ ہین اور
ایک ایک نسخہ صناعی اور مہارت فن کا گویا ایک شاہکار ہے، جس کے دیکھنے سے آنکھون کو نور اور دل کو سرور
حاصل ہوتا ہے،

قرآن شریف کے نسخون مین رق پر لکھے ہوئے نمونے بھی جو ابتدائی صدیون کی یادگار ہین، موجود ہین،
اور عرب و ایران، ترکستان، ہندوستان، افغانستان، اور عثمانی ترکون کی سلطنت کے مختلف علاقون کے
مشہور خطاطون، عالمون اور حافظون کے لکھے ہوئے، مصاحف، ابتدائی کوفی خط سے لیکر اعلیٰ درجہ کے نسخ و نستعلیق
تک مین یہان موجود اور باصرہ نواز ہین، ان مصحفون مین سادہ اوراق سے لیکر فن کاری کے اعلیٰ ترین
دیدہ زیب اور دل نواز نمونے ع،

"دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار"

کے مصداق ہین[۱]

[۱] ایسی کتابین جو صناعی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہین، کتب خانون کے علاوہ بیسیون کی تعداد مین عجائب خانون مین ہین،

اس کتب خانہ کے مصور نسخون کی فہرست جو ناظم کتب خانہ فہمی ادہم نے مرتب کی ہے، بڑے اہتمام سے پرس میں ۱۹۳۳ء مین طبع ہوئی ہے،

ترکی زبان کے رسالے اور مجلے جو اس کتب خانہ مین آتے ہین، اُن کی تعداد (۳۳۰) اور اخبارات کی (۲۰۰) ہے[1]

چونکہ کتب خانہ کی عمارت تنگ ہے، اس لئے اس سے استفادہ بھی محدود رکھا گیا ہے، اور صرف اساتذہ اور اعلیٰ جماعتون کے طلبہ کو استفادہ کی اجازت ہے، البتہ کتب خانہ مین ایک ایسا کمرہ بھی ہے جہان طلبہ خود اپنی ذاتی کتابون کا مطالعہ کر سکتے ہین، یہ دار المطالعہ روزانہ صبح کے سات بجے سے رات کے دس بجے تک کھلا رہتا ہے،

مطالعہ اور تحقیقی کام کرنے والون کو خاص اجازت سے استفادہ کی سہولت حاصل ہو جاتی ہے، اس کتب خانہ کے لئے ایک نئی موزون عمارت کی تعمیر زیر تجویز ہے، اس کی تعمیر کے بعد کتب خانہ سے استفادہ کا دائرہ بھی وسیع ہو جائے گا،

اس لائبریری مین دو قسم کی عام فہرستین ہین، ایک ڈکشنری سسٹم پر، دوسرے اعتیادی طریقہ کی تقسیم علوم والی فہرست، عربی اور فارسی مطبوعہ کتابون کی فہرستین اُن کے رسم الخط مین علٰحدہ علٰحدہ مرتب اور مہیا ہین قلمی کتابون کی فہرست علٰحدہ ہے "

اس کتب خانہ کی مختلف نشریات کی تعداد ۱۹۵۱ء تک (۹۰) تک پہنچ چکی ہے، ان مین سے دو مطبوعہ فہرستین تحفہ کے طور پر راقم کو بھی حاصل ہوئین، ان مین ایک کتب خانہ کی فارسی مطبوعہ کتابون کی فہرست ہے، جو ۱۹۵۱ء مین طبع ہوئی ہے، اس کے مرتب فہمی ادہم ہین، یہ فہرست علوم اور مولفون کے نام کے لحاظ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۳) علٰحدہ رکھی ہوئی ہین جن کو دیکھتے دیکھتے آدمی تھک جائے، اور کتابین ختم نہ ہون،

[1] ان اعداد سے ترکی کی عام تعلیمی اور علمی ترقی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے،

سے حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے، اور استنبول مین نہایت خوبصورت طبع ہوئی ہے، ایرانیات اور ایرانیات پر دوسری زبانون کی جو کتابین کتب خانہ مین محفوظ ہین، وہ بھی اس فہرست مین شامل کر دی گئی ہین،

دوسری فہرست عربی کی قلمی کتابون کی ہے، اس کے مرتب بھی فہمی ادہم ہین، یہ نشریہ عربی مخطوطات کی فہرست کی پہلی جلد کا پہلا حصہ ہے، اس حصہ مین قرآن مجید اور اس سے متعلقہ علوم کے (۳۴۲) مخطوطات کا تذکرہ ہے، ان مین سے (۲۵۰) قرآن مجید ہین اور باقی تجوید وغیرہ فنون کے قلمی نسخے، دس تصویرین بھی اس نشریہ مین ہین، آٹھ تصویرین قرآن شریف کے مختلف نسخون کے ایک ایک صفحہ کی اور دو تصویرین جلد بندی کے نمونون کی ہین،

یہ فہرست گو تفصیلی فہرست نگاری کے جاریہ طریقہ پر مرتب کی گئی ہے، لیکن اختصار پیش نظر رکھا گیا ہے، تاہم کوئی ضروری بات چھوٹنے نہین پائی ہے، اس فہرست مین مختلف اشاریے اور کار آمد جدولین بھی ہین، ہر کتاب کا نام اور ابتدائی عبارت عربی رسم الخط مین تحریر ہے،

یہ تو ان کتب خانون کے ظاہری حالات ہین، ان کی کتابون اور مخطوطات پر مختصر تبصرہ کے لئے بھی استنبول مین کافی قیام کی ضرورت بلکہ ساری عمر درکار ہے، دس بارہ روز مین کوئی کیا دیکھ سکتا ہے اور حسرت و افسوس کے ساتھ واپس ہونا پڑتا ہے،

اس موقع پر بے محل نہ ہوگا، اگر استنبول کی ان نمایشون کا تذکرہ کیا جائے جو کانگریس کے سلسلہ مین قلمی کتابون کی نمایش کے لئے منعقد کی گئی تھین[1]،

[1] مخطوطات اور مطبوعہ کتابون کی نمایشون کے علاوہ اور دوسری جو نمایشین ہوئی تھین، وہ یہ ہین،

۱۔ ترکی کی یادگار عمارتون کے نقشون کی نمایش، استنبول کی ٹکنکل یونیورسٹی مین،

۲۔ ٹرکش انسٹی ٹیوٹ فار گرس نے نور بانی کی نمایش کی تھی،

مندرجہ ذیل مقامون مین قلمی کتابون کی نمایشون کا انتظام کیا گیا تھا،

۱- استنبول یونیورسٹی کے کتب خانہ مین،

۲- ملت لائبریری مین،

۳- کتب خانہ راغب پاشا مین،

۴- توپ قپوسرائے کی میوزیم کے کتب خانہ مین،

۵- خود استنبول یونیورسٹی کی مرکزی عمارت مین،

مخطوطات کی ان نمایشون کے علاوہ، یونی ورسٹی کی عمارت ہی مین مطبوعہ کتابون کی بھی نمایش ہوئی تھی،

مطبوعہ کتابون مین زیادہ تر جدید ترکی مطبوعات تھین اور کچھ قدیم رسم الخط کی کتابین بھی تھین، بیرونی اداروں کی کتابین بھی نمایان کی گئی تھین، ان مین حیدرآباد کے دائرۃ المعارف[1] کی مطبوعات بھی تھین، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی ناشرون نے اس نمایش کے ذریعہ اپنی نشریات کو مشہور کرنے کی اہمیت کم محسوس کی، حالیہ ترکی مطبوعات کا موضوع ایک علٰحدہ مضمون کا متقاضی ہے،

یہ تمام نمایشین بڑی خوش انتظامی اور حسن اہتمام سے منعقد ہوئی تھین،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۵) ۳- قدیم سرکاری دفاتر کے اہم کاغذات کی نمایش، حکومت کے کاغذات قدیم کے دفتر مین،

۴- مصوری اور بت تراشی کی گیلری،

۵- عصری ترکی پینٹنگ کی نمایش، یہ بھی یونیورسٹی کی عمارت مین تھی،

۶- ترکی عورتون کے لباس کی نمایش،

۷- تصاویر، کتبون اور قطعون یا خطاطی، اور دوسری اشیاے فنون لطیفہ کی نمایش، اس نمایش کا مختصر تذکرہ مضمون مین کیا گیا ہے،

[1] حیدرآباد دکن کے اس ادارہ نے خاموشی کے ساتھ علم کی جو خدمت کی ہے، اسکا بیرونی علمی دنیا مین بڑا چرچا ہے،

استنبول یونیورسٹی کی عمارت مین مخطوطات کی جو نمایش ہوئی تھی، اس کے لئے خاص طور سے بڑا اہتمام کیا گیا تھا، ایک وسیع مربع ہال مین جس کی وسعت ہندوستانی یونیورسٹیون کی عمارتون مین کم دیکھنے مین آتی ہے، شیشہ کے صندوقون مین یا میزون پر کھلی کتابین سارے ہال مین قرینہ سے ترتیب دی گئی تھین، ہر کتاب پر اس کا مختصر حال علٰحدہ علٰحدہ کارڈ پر لکھا ہوا تھا، یہ نمایش گیارہ دن، صبح کے ۹ بجے سے شام کے چھ بجے تک مسلسل رہی،

اس نمایش مین استنبول کے تمام کتب خانون سے کتابین فراہم کی گئی تھین، جن کتابون کی نمایش کی گئی، ان کی ایک فہرست بھی چھاپ کر تقسیم کی گئی تھی، اس فہرست کے مطابق (۸۹۹) عربی فارسی اور ترکی زبانون کی قلمی کتابین اس نمایش مین موجود تھین، سب سے زیادہ کوپرولو کے کتب خانہ کی کتابین (۱۶۰) کی تعداد مین تھین،

نمایش مین رکھی جانے والی کتابون کی جو فہرست چھاپ کر تقسیم کی گئی تھی، اس مین ہر کتاب کے متعلق مندرجۂ ذیل باتین تحریر تھین،

۱- نام کتاب (۲) سنہ کتابت یا سنہ تالیف (۳) مؤلف کا نام (۴) مؤلف کا سنہ وفات (۵) فن (۶) زبان (عربی، فارسی یا ترکی) (۷) کتب خانہ کا نمبر،

فراہمی معلومات کے دو دفتر نمایش مین قائم کئے گئے تھے، ایک ان کتابون کے متعلق جو نمایش مین رکھی گئی تھین، دوسرے استنبول کے کتب خانون کے متعلق اور یہ انتظام کیا گیا تھا کہ ترکی، جرمن، عربی اور فارسی چار زبانون مین یہ معلومات بہم پہنچائی جائین، دوسرے فنی معلومات بہم پہنچانے کا بھی انتظام تھا، اس نوعیت کے معلومات بھی چار زبانون، ترکی، انگریزی، عربی اور فارسی مین

(بقیہ حاشیہ ۱) جس صاحب علم سے ملاقات ہوتی تھی، وہ ضرور اس ادارہ کا حال دریافت کرتا تھا، وطن مین اس ادارہ اور اس کے ٹھوس کام کی اہمیت کا اندازہ نہین ہوسکتا،

فراہم کئے جاسکتے تھے،

چونکہ نمائش کے بڑے ہال مین کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کی ممانعت تھی، اس لئے نمائش مین ہی ایک دارالمطالعہ بھی قائم کر دیا گیا تھا، تاکہ اگر کوئی چاہے تو جن کتابون کی نمائش کی گئی تھی، ان مین سے کوئی کتاب تھوڑی دیر کے لئے لیکر ضروری معلومات حاصل کر سکے، جو لوگ اپنے اخراجات سے تصویر یا فلم لینا چاہتے تھے، ان کے لئے بھی معقول انتظامات کئے گئے تھے،

دل چاہتا ہے کہ نمائش مین جو کتابین دیکھی تھین، ان کا مفصل تذکرہ کیا جائے، لیکن بحالات موجودہ یہ ممکن نہین، اس لئے صرف چند کتابون کا تذکرہ مختصر طور سے کیا جاتا ہے،

۱- اختلافات الائمہ: شمس الدین الاوزجندی (المتوفی ۶۴۲ھ) کی تالیف عاطف آفندی کے کتب خانہ سے آئی تھی، زبان عربی، نمبر[1] ۴۳۳، جہان تک علم ہے یہ کتاب ابھی طبع نہین ہوئی ہے،

۲- التذکرۃ الہرویہ فی حیل الحربیہ } فنون حرب مین علی بن ابو بکر الہروی (المتوفی ۶۱۱ھ) کی تالیف، کتب خانہ کا یہ نسخہ مؤلف کی زندگی مین ۶۰۶ھ مین لکھا گیا تھا، تاحال غیر مطبوع ہے، عاطف آفندی کے کتب خانہ سے یہ نسخہ آیا تھا، نمبر (۲۰۱۸) زبان عربی غالباً شمس الدین الاوزجندی، اور علی بن ابو بکر الہروی کی کوئی دوسری کتاب بھی ابھی طبع و شائع نہین ہوئی ہے،

۳- المصنف: فن صرف مین ابوالفتح ابن جنی (المتوفی ۳۹۲ھ) کی تالیف ۵۱۰ھ مین لکھا ہوا نسخہ، زبان عربی، عاطف آفندی کے کتب خانہ کی نمبر ۲۹۳۹، ابن جنی کی دوسری کتابین طبع ہوئی ہین لیکن اس کتاب کی طباعت کا حال معلوم نہین،

۴- مقدمہ ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) یہ مقدمہ ۷۷۹ھ مین تالیف ہوا ہے،

---

[1] یہان اس بات کی صراحت کردی جاتی ہے، کہ نمبر سے کتب خانہ متعلقہ کا نمبر مراد ہے،

نوے ہی سال کا مکتوبہ ہے، عاطف آفندی کے کتب خانہ کا نسخہ، نمبر ۱۹۳۶،

۵- ادلۃ الرسمیۃ فی ..... الحربیۃ: فنون حرب پر عربی زبان مین محمود بن منکلی کی تالیف، ۷۷۳ھ مین یہ کتاب تالیف ہوئی، غالباً یہ نسخہ اسی سنہ کا مولف کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے، اباصوفیہ کے کتب خانہ سے یہ کتاب نمائش مین آئی تھی، نمبر ۲۸۳۹- کتاب کی طباعت کا کوئی حال معلوم نہین ہے،

۶- اربعین فی ارشاد السالکین: ابوالفتح محمد الطائی کی تالیف، ۵۶۳ھ کا لکھا ہوا نسخہ، عربی زبان مین حدیث اور سلوک کے موضوع پر مختصر رسالہ ہے، اباصوفیا کے کتب خانہ کا نمبر ۴۱۴، اس کتاب کے چھپنے کے حال سے کوئی آگاہی نہین ہے،

۷- اغراض السیاسۃ فی علم الریاسۃ: الخطیب السمرقندی کی فارسی زبان مین تالیف، اباصوفیا کے کتب خانہ کا نسخہ، کتاب کا نمبر ۲۸۴۴، کتاب غالباً تاحال غیر مطبوعہ ہے،

۸- کتاب الاقالیم الارضیہ علی الممالک الاسلامیہ } ابواسحٰق الاصطخری المتوفی (۳۴۰ھ) کی تالیف، عربی زبان مین جغرافیہ کے موضوع پر، اصطخری کی دوسری دو کتابین صور الاقالیم اور مسالک الممالک چھپ چکی ہین، لیکن یہ تالیف غالباً ابھی چھپی نہین، اباصوفیا کے کتب خانہ کا نسخہ نمبر ۲۹۷۱،

۹- اعیان العصر واعوان النصر- عربی زبان مین اپنے ہم عصر مشاہیر پر خلیل الصفدی المتوفی (۷۶۴ھ) کی تالیف، غالباً مؤلف کا خود اپنا لکھا ہوا نسخہ ہے، (اباصوفیہ نمبر ۲۹۶۶) حال طباعت نامعلوم،

۱۰- اظہار صنعۃ الحی القیوم فی ترتیب بلاد الفیوم } فخر الدین ابن النابلسی کی تالیف عربی زبان مین، حالِ طباعت نامعلوم (اباصوفیا نمبر ۲۹۶۰)

۱۱- **الاشراف علی معرفۃ الاطراف**: ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ) کی عربی زبان
مین حدیث کے موضوع پر تالیف، غالبًا کوئی انڈکس ہے، حال طباعت غیر معلوم (نسخہ اباصوفیا نمبر ۴۶۰)
یہ نسخہ کتاب کی دوسری جلد پر مشتمل ہے،

۱۲- **سیر ابن اسحاق کا فارسی ترجمہ**، ۶۱۲ھ مین لکھا ہوا نسخہ (اباصوفیا نمبر ۳۲۲۵) یہ تحقیق
نہ ہوسکا کہ یہ کتاب ابن ہشام کی ترتیب دی ہوئی سیرت ابن اسحق کا ترجمہ ہے، یا اصل کتاب کا، اگر
اصل کتاب کا ترجمہ ہے تو علمی دنیا کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے،

۱۳- **جغرافیہ کی کتاب العجائب کا ترکی ترجمہ**: مترجمہ مصطفی سروری (المتوفی ۹۶۹ھ) نسخہ
اباصوفیا نمبر ۳۱۵۶)

۱۴- **المسالک والممالک**: کا فارسی مین ترجمہ مترجم کا نام ابوزید احمد البلخی ہے، نسخہ
اباصوفیا، نمبر ۳۱۵۶)

المسالک والممالک کے نام سے عربی زبان مین ایک سے زیادہ کتابین لکھی گئی ہین، مثلاً ابن خرداذبہ
(المتوفی فی حدود ۳۰۰ھ) کی تالیف، الاصطخری (نیخ ۳۴۰ھ) کی تالیف اور ابن حوقل (المتوفی ۳۶۷ھ)
کی تالیف، یہ تینون کتابین دی غویہ وغیرہ مستشرقین نے لیڈن سے طبع و شائع کی ہین، اس بات کی
تحقیق نہ ہوسکی کہ اباصوفیا کے کتب خانہ مین محفوظ المسالک والممالک کا ترجمہ فارسی کس متن کا ترجمہ ہے؛

۱۵- **التکملہ لوفیات النقلۃ** دوسری تا دسوین جلد، الترغیب والترہیب کے
مؤلف زکی الدین المنذری (المتوفی ۶۵۶ھ) کی تالیف، عربی زبان مین تاریخ و تذکرہ کے موضوع
پر ۶۵۶ھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے، اور غالبًا تاحال غیر مطبوع (نسخہ اباصوفیا نمبر ۳۱۶۳)

۱۶- **تلخیص المخروطات**:- یہ کتاب عربی زبان مین فن ہندسہ کے موضوع
پر ہے، مؤلف کا نام محمود بن قاسم الاصفہانی ہے، ۵۱۳ھ کا لکھا ہوا نسخہ، طباعت کا حال معلوم

نہ ہوسکا (نسخہ اباصوفیا نمبر ۲۷۴۲)

۱۷- **تاریخ اسلام وطبقات المشاہیر والاعلام**: شمس الدین الذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ ہجری) نسخہ (
اباصوفیا نمبر ۳۰۰۵)

۱۸- **تاریخ المجروحین من المحدثین**: ابوحاتم البستی المتوفی (۳۵۴ھ) کی تالیف
عربی زبان مین، ابوحاتم البستی کی ایک دوسری تالیف روضۃ العقلاء ونزہۃ الفضلاء طبع ہوچکی ہے، لیکن
اس کتاب کے طبع ہونے یا نہ ہونے کا کوئی علم نہ ہوسکا، (نسخہ اباصوفیہ ۴۹۶)

۱۹- **روضات اولی الالباب فی تواریخ الاکابر والانساب**: فخر الدین بناکتی
(المتوفی ۷۳۰ھ) کی تالیف فارسی زبان مین ۸۰۸ھ مین اس نسخہ کی کتابت ہوئی ہے نسخہ (اباصوفیا نمبر ۳۰۲۲)

۲۰- **شرح اشکال التاسیس**: مولفہ قاضی زادہ رومی (المتوفی [illegible]ھ) فن ہندسہ کے موضوع
پر عربی زبان مین ۸۱۵ھ مین غالبًا یہ کتاب تالیف ہوئی ہے، (نسخہ اباصوفیا نمبر ۲۷۴۳)

۲۱- **ظفرنامہ**: امیر خسرو دہلوی (المتوفی ۷۲۵ھ) کی تالیف ترکی زبان مین، یہ نسخہ ۹۳۵ھ
مین نقل ہوا ہے، (نسخہ اباصوفیا نمبر ۳۱۳۰)

۲۲- **کتاب المسافات والولایات**:- عربی زبان مین ابوعبداللہ المقدسی (نیخ ۳۷۵ھ)
کی تالیف، یہ نسخہ ۵۵۶ھ مین نقل کیا گیا ہے، المقدسی کی ایک دوسری تالیف احسن التقاسیم فی معرفۃ
الاقالیم کے بعض اجزاء طبع وشائع ہوچکے ہین، کتاب المسافات غالبًا ابھی طبع نہین ہوئی ہے (نسخہ اباصوفیا ۲۹۰۱)

۲۳- **معدن النوادر فی معرفۃ الجواہر**: کوئی بیہقی اس کے مولف ہین، کتاب
عربی زبان مین ہے، جواہرات اس کا موضوع ہے، ۹۱۵ھ کی تالیف ہے، اس موضوع پر مسلمان علماء
نے بہت توجہ کی ہے، ترکی کے دوسرے کتب خانون مین اس موضوع پر جو تالیفین دیکھنے مین آئین ان
کا آیندہ تذکرہ کیا جائے گا، انشاء اللہ (نسخہ اباصوفیا نمبر ۳۳۰۲)

۲۴۔ **معرفۃ انواع علم الحدیث**: یہ رسالہ مقدمۂ ابن صلاح کے نام سے مشہور ہے، مؤلف کی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی، اور یہ نسخہ ۷۴۳ھ کا لکھا ہوا ہے، (نسخہ ایا صوفیا نمبر ۴۴۴)

۲۵۔ **معرفۃ اصول الحدیث**: محدث حاکم نیشاپوری (المتوفی ۴۰۵ھ) کی تالیف، ۵۵۰ھ میں لکھا ہوا نسخہ (ایا صوفیا نمبر ۴۴۹)

یہ چند کتابیں جو مشتے نمونہ از خروارے کی مصداق ہیں، ورنہ ایک ایک کتاب کے لئے کئی کئی صفحے درکار ہیں، اور کوئی دس بیس کتابیں نہیں ہیں، بلکہ ہزاروں نایاب اور نادر نسخے ہیں، جن کا نام شمار کرانا بھی دشوار ہے،

کانگرس کے ضمن میں جو دوسری مختلف نمائشیں ہوئی تھیں، ان سب کا تذکرہ باعث طوالت ہوگا، صرف خطاطی کی نمائش کے متعلق سرسری اشارہ کیا جاتا ہے،

خطاطی کی نمائش فنون لطیفہ کے شعبہ کا جز تھی، پوری نمائش میں موجودہ عہد کے نمونے رکھے گئے تھے، اس ہال میں جو چیز سب پر چھائی ہوئی تھی، وہ نجم الدین خطاط کے لکھے ہوئے قطعے تھے، ان قطعوں کو دیکھ کر خطاطی میں نجم الدین کے کمال پر نمائش میں ہر شخص کی زبان سے بے اختیار ستائش اور تحسین کا اظہار ہوتا تھا، نجم الدین اپنے پیشرو باکمال ترک استادان خطاطی کے قابل فخر جانشین ہیں،

خطاطی کا یہ کمال نئے رومن رسم الخط میں پیدا نہیں ہو سکتا تھا، یہ تو عربی رسم الخط میں لکھے ہوئے قطعے تھے، پھر انقلاب کے بیس پچیس سال قبل کے لکھے ہوئے نہیں، بلکہ ۱۳۶۹ھ کے لکھے ہوئے یعنی نمائش سے صرف کچھ عرصہ قبل تحریر کئے ہوئے تازہ بتازہ نو بہ نو کے مصداق، پھر ان قطعوں کے مضامین رندانہ یا اس سے کم درجہ کے شاعرانہ نہیں، بلکہ خالص اسلامیاتی یعنی آیات قرآنی، حدیثیں یا راسخ العقیدہ علماء کے اقوال وغیرہ،

قدیم مشرقی امور اور اسلامی روایات و شعائر سے ترکوں کی یہ شیفتگی، اور والہانہ عقیدت شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ اور مکان بہ مکان نظر آتی ہے، یہ تجربے اور مشاہدے ایک علحدہ مضمون ہی میں تفصیل کے

ساتھ سما سکتے ہیں،

اس مضمون کے آخر میں قدیم کتابوں کی ایک ترکی خدمت کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا، گیارہویں صدی ہجری کے ایک ترک اہل علم و اہل قلم حاجی خلیفہ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) نے اپنی مشہور عالم تالیف کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون سے علوم اسلامیہ کی جو خدمت انجام دی ہے، اس کے احسان سے عالم و متعلم کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، یہ کتاب لیڈن، قاہرہ اور آستانہ میں طبع ہوئی تھی لیکن ہر جگہ نادر و نایاب تھی، اور اگر اس کا کوئی نسخہ مل جاتا تھا، تو منہ مانگی قیمت دے کر لینا پڑتا تھا، اب استنبول میں اس کا نسخہ سرکاری اہتمام سے چھپ رہا ہے، اس کی پہلی جلد جو حرف س تک ہے، ۱۹۴۱ء میں سررشتۂ تعلیمات کے مطبع میں چھپی ہے، دو عالموں نے اس کو ایڈٹ کیا ہے، ایک شرف الدین یالتقایا اور دوسرے رفعت بیلگہ انگلیسی، پہلے صاحب استنبول یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، اس نسخہ کی ابتدا میں عربی زبان میں تمہید و مقدمہ لکھا گیا ہے، حاجی خلیفہ کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں، جدید ترکی رسم الخط میں بھی ایک پیش لفظ لکھا گیا ہے، اس نسخہ میں حاجی خلیفہ کی قبر کے فوٹو کے علاوہ کتاب کے اصل مسودہ اور مبیضہ کے ایک ایک صفحہ کا عکس بھی شامل ہے، پیش لفظ وزیر تعلیم حسن علی نے لکھا ہے، اور کتاب عصمت انونو کے نام پر منسوب کی گئی ہے،

اصل کتاب کی ایک جلد چھپنے کے بعد غالباً مناسب یہ معلوم ہوا کہ اس کا ایک ذیل بھی چھاپ دیا جائے، چنانچہ اسماعیل پاشا بغدادی کی تالیف موسوم بہ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون کی دو جلدیں چھپ چکی ہیں، یہ بھی سررشتۂ تعلیم کے مطبع میں طبع ہوئی ہیں، پہلی جلد ۱۹۴۵ء میں طبع و شائع ہوئی اور دوسری جلد ۱۹۴۷ء میں، طباعت کے اخراجات سررشتۂ تعلیم نے برداشت کئے تھے،[1]

---

[1] اس مضمون کی ترتیب میں جن مطبوعات کا حوالہ نفس مضمون میں ہے، ان کے علاوہ مندرجۂ ذیل نشریوں سے جو

اقبال مرحوم نے عربی اور فارسی زبانوں کی نادر و نایاب کتابوں کو مشرقی مدارس کے طاق و ایوانوں سے نکل کر مغربی کتب خانوں اور جامعات کے رواقوں کی زینت بنے ہوئے دیکھکر کس حسرت و افسوس سے نوحہ خوانی کی تھی کہ

گر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

انھوں نے اپنے دل کی قاش فردشی غنی کشمیری کے اس شعر کو نقل کر کے بھی نمایاں کی تھی کہ

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

لیکن بحمد اللہ بحولہ و قوتہ اب اس یاس و اندوہ کی ضرورت نہیں، ہر طرف امید کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں اور اب تو اس زمزمہ کا وقت آگیا کہ

صبح امید کہ بد معتکف پردۂ غیب
گو برون آئے کہ کار شب تار آخر شد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳) انگریزی میں ہیں، مدد لی گئی ہے (۱) رہبر کتب خانہ ہائے استنبول، تیسرا ایڈیشن، تالیف مظفر گوک خان (۲) کٹیلاگ (کیلنڈر) استنبول یونیورسٹی (۳) ایجوکیشن ان ٹرکی،

سفرنامۂ مصر و روم و شام

۱۸۹۲ء میں علامہ شبلیؒ نے جو سفر کیا تھا، اس کے حالات و واقعات، یہ سفرنامہ اردو میں ممالک اسلامیہ کا پہلا سفرنامہ ہے جس میں ٹرکی، مصر و شام کے علمی، تعلیمی و تمدنی حالات کی تصویر کھینچی ہے،

قیمت:۔ عہ

"منیجر"

جنایات بوجہ غفلت

چوتھا باب خاطی

آٹھوین فصل۔ شادی شدہ عورتین،

از ڈاکٹر محمد غوث ایم اے۔ پی۔ ایچ ڈی،

(۳)

انگلستان کے قانون کی رو سے شادی کے بعد زوجہ اور شوہر دونوں ایک وحدت میں شامل ہوجاتے تھے، اس اصول کے قانونی اثرات کی بنا پر زوجہ گوناگون قانونی ناقابلیتوں کی مورد ہوگئی تھی گو بعض حالیہ قوانین کے ذریعہ زوجہ کی ان ناقابلیتوں اور مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور قانون ایکٹ بابتہ ۱۹۳۵ء کے ذریعہ جو احکام نافذ ہوئے ہیں، اُن سے صورت حال نسبتہ بہتر ہوگئی ہے، لیکن اصولاً اب بھی یہ امر مسلّم ہے کہ شادی کے بعد شوہر اور زوجہ ایک وحدت میں شامل ہوجاتے ہیں،

اسلامی قانون کی رو سے انگلستانی اصول کی تائید نہیں ہوتی، اسلام کی شریعت میں وحدت زوجین کا اصول کسی طرح مسلّم نہیں ہے، شادی ہونے کے بعد کسی مسلمان عورت کی ذاتی حیثیت ادنی درجہ میں بھی زائل نہیں ہوجاتی،

لاء ریفارم ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے بعد انگلستانی قانون اسلامی قانون سے بہت قریب ہوگیا ہے تاہم پھر بھی ان دونوں میں کافی تفاوت موجود ہے،

آیندہ صفحات میں پہلے انگلستانی قانون کی تفصیلات پر غور کیا جائے گا، پھر اسلامی احکام و اصول

پر روشنی ڈالی جائے گی، اور انگلستانی قانون کی تفصیلات اختصار کے ساتھ اس طرح بیان کی جائینگی کہ عہد بہ عہد کا قانونی ارتقا بھی نظر کے سامنے آجائے،

انگلستان کے کامن لا کے قدیم احکام

انگلستان کے قانون غیر موضوعہ (کامن لا) کی رو سے کوئی زوجہ اپنے شوہر پر کسی صورت مین کسی جنایت (ٹارٹ) کی نالش دائر نہیں کر سکتی تھی[۱]

اگر شوہر زوجہ پر کوئی زیادتی کرتا، تو اس کی دادرسی فوجداری قانون کے ذریعہ کی جاتی تھی، لیکن دیوانی نوعیت کی مضرتون کے لئے جو قوانین رائج تھے، ان کی رو سے زوجہ کے لئے کسی قسم کی دادرسی حاصل کرنے کا کوئی موقع حاصل نہین تھا،[۲]

بلکہ یہان تک تھا کہ کوئی شادی شدہ عورت نہ خود کسی پر کسی ٹارٹ کے لئے نالش دائر کر سکتی تھی اور نہ اس پر کسی دوسرے کی جانب سے اس وقت تک نالش کیجا سکتی تھی، جب تک شوہر کو بھی مدعی یا مدعی علیہ کی حیثیت سے شامل نہ کیا جائے،[۳]

کیونکہ قانون کی نظر مین عورت کی مستقل جائداد ہی متصور نہین تھی، جس کی بنا پر ہرجانہ کی نالش ہو سکتی، البتہ اس سلسلہ مین یہ بات نظر انداز نہ کر دینی چاہئے، کہ زوجہ کی جنایت، شوہر کی جنایت قرار نہین دی جاتی تھی، بلکہ یہ صرف ایک ضابطہ کا مسئلہ تھا، کہ زوجہ پر علحدہ نالش نہین ہو سکتی تھی

قانون جائداد زنان شادی شدہ ۱۸۸۲ء

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے ۱۸۸۲ء مین قانون جائداد زنان شادی شدہ[۴] منظور اور نافذ ہوا، اس قانون کی رو سے زوجہ کو اپنے شوہر پر جنایت کی نالش دائر کرنے اور اس کو اپنی ذاتی جائداد کی حفاظت اور نگہبانی کا حق حاصل ہوا، لیکن

۱ و ۲ سامنڈ، لا آف ٹارٹس ص ۰۰، ۱۹۲۶ء ۳ کلرک اینڈ لنڈس لا آف ٹارٹس صفحہ ۴۶
۴ کلرک اینڈ لنڈس، لا آف ٹارٹس، صفحہ ۰۰ Marred womens -
- Property Act)

اس حق کے حاصل ہونے کے باوجود زوجہ کی جانب سے اس کے شوہر پر کسی اور جنایت کی بنا پر نالش دائر نہ ہو سکتی تھی،[۱]

اس قانون کی رو سے زوجہ کو یہ حق بھی حاصل ہوا، کہ وہ دوسرون پر بلا شمول شوہر نالش دائر کر سکے، اور دوسرے لوگون کو بھی اس کا حق دیا گیا، کہ وہ اپنے حق کے استقرار کے لئے دوسرے کی زوجہ پر بلا شمول شوہر نالش دائر کر سکین،[۲] اور اگر زوجہ کے خلاف عدالت سے ڈگری حاصل ہو جائے، تو زوجہ کی ذاتی جائداد سے ہرجانہ وصول کیا جائے،

لیکن قانون مین توسعت پیدا کرنے کے باوجود بعض سابقہ تحدیدات بھی برقرار رکھی گئین، چنانچہ اسی قانون جائداد زنان شادی شدہ کے دفعہ ۱۲ مین اس امر کی صراحت کر دیگئی ہے کہ مذکورۂ بالا صورتون کے علاوہ کسی اور صورت مین شوہر اور زوجہ، کسی جنایت مین ایک دوسرے پر نالش دائر نہین کر سکتے، چنانچہ حملہ، ازالۂ حیثیت عرفی اور حبس بیجا وغیرہ ذاتی مضرت رسانیون کے لئے ٹارٹ کے قانون کی رو سے کوئی نالش دائر نہ ہو سکتی تھی،[۳]

تاہم اس قانون سے زوجہ کو شوہر کے خلاف کم از کم اپنی ذاتی جائداد کے تحفظ یا حصول کے لئے ٹارٹ کی نالش دائر کرنے کا حق حاصل ہو گیا، لیکن شوہر کو اپنی زوجہ کے خلاف کوئی مماثل حق حاصل نہین ہوا، یعنی کوئی شوہر اپنی زوجہ پر کسی صورت مین ٹارٹ کی کوئی نالش دائر کرنے کا مجاز نہین ہوا،[۴]

سر جان سامنڈ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ قانون مین زوجہ کے مماثل شوہر کو جو حق عطا نہین ہوا اس کو درحقیقت سہو نظری پر محمول کرنا چاہئے،[۵]

۱ کلرک اینڈ لنڈس، لا آف ٹارٹس ص ۰۰ ۲ ایضاً ص ۰۰ ۳ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۰۰، ۱۹۲۶ء
۴ کلرک اینڈ لنڈس، لا آف ٹارٹس ص ۰۰ نیز سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۹۰، ۱۹۲۶ء

قانون کی تعبیر مین انگلستان کے ارباب قانون کا اختلاف

انگلستان کے قانون غیر موضوعہ (کامن لا) کی رو سے یہ قاعدہ مقرر تھا کہ زوجہ کی ان جنایتون کے لئے جو زمانۂ ازدواج مین صادر ہوئی ہون شوہرون کی ذمہ داری غیر محدود تھی،[1]

چنانچہ قانون جائداد زنان شادی شدہ کے نفاذ کے باوجود ۱۹۱۵ء مین ایڈورڈس بنام پورٹر کے مقدمہ مین ہاؤس آف لارڈس نے طے کیا کہ شوہر کی یہ غیر محدود ذمہ داری اس قانون کے ذریعہ ساقط نہین ہوتی،[2]

یہ فیصلہ لارڈ سمنر نے کیا تھا، مگر لارڈ برکن ہیڈ اور لارڈ کیو نے اس سے اختلاف کیا، اور اپنے اختلافی فیصلہ مین لکھا کہ جب قانون جائداد زنان شدہ کے ذریعہ شوہر اور زوجہ کی قانونی وحدت زائل ہو گئی، تو وہ قدیم قاعدہ بھی جس کی رو سے شوہر کی ذمہ داری متعین کی گئی تھی ختم ہو گئی، مذکورہ بالا دونون ججون نے اپنے فیصلہ مین یہ بھی واضح کیا تھا کہ قانون غیر موضوعہ کی رو سے جو قاعدہ مقرر تھا کہ زوجہ کی جنایتون کے لئے شوہر بھی ذمہ دار ہے، وہ ضابطہ کے اس قاعدہ کی وجہ سے تھا کہ کسی زوجہ پر تنہا کوئی نالش دائر نہین کی جا سکتی تھی، مگر اب اس ضابطہ کو کالعدم قرار دیا گیا ہے، اس لئے دوسرے قاعدہ کی پابندی بھی ضروری نہین ہے[3]

۱۹۲۵ء مین لارڈ کیو نے قانون کے اس نقص کو دور کرنے کی غرض سے ایک مسودۂ قانون پیش بھی کیا تھا لیکن اس کے منظور ہونے کی نوبت نہین آئی،[4]

غرض کسی شادی شدہ عورت کی جنایتون کے سلسلہ مین کسی مدعی کو ارجاع نالش کے لئے تین صورتین علی سبیل البدل حاصل تھین،

۱- قانون منظورہ ۱۸۸۲ء کے مطابق صرف زوجہ پر نالش کی جائے،

[1] کلرک اینڈ لنڈسل لا آف ٹارٹس ص ۷۹ نیز سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۷۹ ۱۹۲۸ء [2] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۸۹
[3] ایضاً ص ۹ و تعلیق ۱۹۲۸ء [4] ایضاً

۲- شوہر اور زوجہ پر ایک ساتھ قانون غیر موضوعہ کی رو سے نالش کی جائے،

۳- شوہر اور زوجہ پر قانون غیر موضوعہ کی مطابقت مین ایک ساتھ دعوی کیا جائے، اور ۱۸۸۲ء کے قانون کی بنا پر زوجہ پر علیحدہ نالش دائر کی جائے[5]

زوجہ کی قبل ازدواج جنایتین

قانون غیر موضوعہ کی رو سے شوہر زوجہ کی تزویج سے پہلے کے صادر شدہ جنایتون کے لئے بھی ذمہ دار تھا، لیکن قانون جائداد زنان شادی شدہ کے نفاذ کے بعد شوہر زوجہ کی ان جنایتون کے لئے جو شادی سے قبل وقوع مین آئی ہون، ذمہ دار نہین رہ گیا[6] لیکن ساتھ ہی اس قانون کی رو سے یہ بھی قرار دیا گیا کہ یہ ذمہ داری اس جائداد کی حد تک قائم رہے گی، جو شوہر زوجہ سے حاصل کرے،[7]

بعض ضمنی امور

انگلستان کے قانون کے سلسلہ مین دو ایک امور کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ

۱- طلاق کے ذریعہ میان بیوی مین مفارقت ہو جانے کے بعد دونون مین سے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہین رہتا کہ بحالتِ ازدواج ایک سے دوسرے کے خلاف جو جنایت صادر ہو، اس کی نسبت نالش دائر کر سکے،[8]

۲- اگر موت کی وجہ سے زن و شوہر کے مابین رشتۂ مناکحت ختم ہو جائے تو متوفی کے وارثون کو یہ حق حاصل نہین ہے کہ وہ پسماندہ فریق پر متوفی کے کسی حق پر جنایت کی کوئی نالش دائر کرین، نیز متوفی کے وارثون پر بھی متوفی کی کسی جنایت کی بنا پر کوئی نالش دائر نہین کیجا سکتی،[9]

۳- شوہر کی ذمہ داری طلاق یا شوہر یا زوجہ مین سے کسی ایک کی موت سے منقطع ہو جاتی ہے، اس لئے ان صورتون مین ان جنایتون کے متعلق بھی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، جو زمانۂ مناکحت

[5] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۵۰ [6] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۹۰ ۱۹۲۸ء [7] کلرک اینڈ لنڈسل لا آف ٹارٹس
ص ۶۷ [8] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۹۰ ۱۹۲۸ء [9] ایضاً،

میں صادر ہوئی ہوں[1]

۴۔ زوجہ کی جنایتوں میں شوہر کی ذمہ داری اس صورت میں بھی وسیع ہے، جب دونوں علحدہ علحدہ رہتے ہوں[2]

لاء فارم ایکٹ ۱۹۳۵ء

لاء فارم ایکٹ بابتہ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے بعد سے مذکورہ بالا امور میں بعض اصلاحات ہوئی ہیں، اور یہ قرار دیا گیا ہے، کہ ہر شادی شدہ عورت اب خود علحدہ نالش دائر کر سکتی ہے، اور اس پر بھی نالش دائر کی جا سکتی ہے، اور کسی شادی شدہ عورت کا شوہر محض شوہر ہونے کی بنا پر اپنی زوجہ کی جنایتوں کا ذمہ دار نہیں ہے، خواہ جنایت شادی سے پہلے صادر ہوتی ہے، یا بعد میں، اسی طرح شوہر پر اس کی زوجہ کی جنایت کی بنا پر نہ تو کوئی نالش دائر کی جا سکتی ہے، اور نہ اس کو کسی نالش میں فریق قرار دیا جا سکتا ہے، البتہ اگر کسی جنایت کے میاں اور بیوی مشترکہ طور پر مرتکب ہوں، تو اس وقت دونوں ایک ساتھ ذمہ دار ہوں گے،

گو ۱۹۳۵ء کے لاء فارم ایکٹ کے نافذ ہونے سے بعض امور ضابطہ کی بڑی حد تک اصلاح ہوگئی ہے لیکن اس کے باوجود "وحدت زوجین" کا نظریہ اب بھی قائم ہے،

خلاصہ بحث

اس تمام بحث سے یہ بات مستفاد ہوئی کہ انگلستان کے قوانین کی رو سے تزویج کے بعد شوہر اور زوجہ دونوں ایک وحدت میں شامل ہو جاتے ہیں، گو حالیہ قوانین کے ذریعہ شوہر اور زوجہ کی وحدت کے قانونی اثر کو کم کر دیا گیا ہے، لیکن اصولاً اب بھی یہی امر مسلّم ہے، کہ شوہر و زوجہ شادی کے بعد ایک ہی وحدت میں شامل ہو جاتے ہیں،

اسلامی شریعت کے احکام

اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کے قانون نے اس بارہ میں کیا امور قرار دیئے ہیں، یہ کوئی افسانہ نہیں، بلکہ حقیقت ہے کہ اسلام کی شریعت میں عورتوں کی جو قانونی حیثیت ہے

[1] سامنڈ لاء آف ٹارٹس ص ۱۰، ۱۹۲۰ء [2] ایضاً۔

اس کو جو حقوق اور آزادیاں حاصل ہیں، وہ اس دور کے ترقی یافتہ ملکوں اور قوموں کے لئے بھی مثالی نمونہ ہیں اب امور کے متعلق توضیح و صراحت تو اس مقالہ کے حدود سے باہر ہے، صرف زیر بحث مسئلہ کے چند پہلوؤں پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالی جاتی ہے،

عقد مناکحت کی نوعیت

واضح ہو کہ تزویج کے بعد کسی مسلمان عورت کی ذاتی حیثیت کسی طرح زائل نہیں ہو جاتی، یہ مسلّم ہے کہ تزویج خود ایک معاہدہ کے ذریعہ عمل میں آتی ہے، یہ صحیح ہے کہ مذہبی نقطہ نظر سے یہ معاہدہ بہت قابلِ احترام ہے، لیکن خالص فقہی یا قانونی اعتبار سے زن و شوہر کی جانب سے بعض مناسب شرائط کے تحت قابلِ انفساخ بھی ہے[1]

عورتوں کے شرعی حقوق اور واجبات

اسلامی شریعت کی رو سے عورت خواہ غیر شادی شدہ ہو یا شادی شدہ اس کے شرعی حقوق اور واجبات کبھی متاثر نہیں ہوتے، ہر مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت یکساں مکلف ہے، قرآن مجید کے احکام کا خطاب عام ہے، اور عورت اور مرد دونوں اس کے مخاطب ہیں، کلام مجید کے اس ارشاد

"انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض"[2]

میں "بعضکم من بعض" سے دونوں کی مساوات کا اشارہ نکلتا ہے، یہ بھی ارشاد ہے کہ

"یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثی وجعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم"[3]

اس لئے حق متعلق بنفس و ذات، حق متعلق بہ عزت و ناموس اور حق متعلق

[1] نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج شمس الدین الرملی ص ۱۳۵ جلد ۶ مطبوعہ مصر [2] قرآن شریف سورۂ آل عمران آیۃ ۱۹۴ [3] قرآن شریف سورۃ الحجرات آیۃ ۱۳،

بہ ملکیت و مال سب مین عورت برابر کی شریک ہے، ان امور کے بارے مین جو شرعی اور فقہی احکام موجود ہین، ان کی عمومیت مین کوئی تخصیص نہین ہے، اور وہ عورت اور مرد دونون کو شامل ہین،

عورتوں اور مردوں کے فرائض کی تخصیص

یہان یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ جہان عورتون کے حقوق مسلم ہین، وہان ان کے فرائض مردون سے جدا ہین، اور جدا ہونے بھی چاہئین، اور الرجال قوامون علی النساء[1] ہی سے تقسیم فرائض کا تحقق ہوتا ہے کہ مرد محنت کا مظہر ہے، اور عورت محبت کا سرچشمہ، اس آیہ کریمہ؛

"ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"[2]

سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے غرض محبت اور محنت سے ہی دنیا کا قوام ہے،

عورتون کا حق ملکیت قرآن کی روشنی مین

یہ تو ایک الگ بحث ہے، یہان صرف حقوق کے مسئلہ پر غور کرنا ہے، اور دوسرے حقوق سے قطع نظر ملکیت کا جو حق عورتون کو حاصل ہے، اس کے متعلق خود قرآن شریف مین تصریح ہے،

"للرجال نصیبٌ مما اکتسبوا، — مردون کو حصہ ہے اپنی کمائی سے، اور
وللنساء نصیبٌ مما اکتسبن[3] — عورتون کو حصہ ہے اپنی کمائی سے،

یعنی مرد اور عورت مین سے ہر ایک جو کچھ پیدا کرے، اس پر اس کو کامل اختیار حاصل ہے للنساء مین حکم عموم ہے کسی قسم کی کوئی تخصیص نہین ہے، اور نابالغ اور بالغ، شادی شدہ اور غیر شادی

۱ قرآن شریف، سورۃ النساء، آیۃ ۳۴، ۲ قرآن شریف الروم آیۃ ۲۱، ۳ قرآن شریف سورۃ النساء، ۳۲،

معلقہ، اور بیوہ سب عورتوں پر یہ حکم شامل ہے،

بعض مسائل جو اس حق پر متفرع ہین

اس حکم سے عورت کو اپنا روزگار آپ پیدا کرنے کی بھی وضاحت ہوتی ہے، وراثت کے قواعد کی رو سے عورت براہ راست جائداد حاصل کرے اس پر اپنے حقوق مالکانہ کو قائم کر سکتی ہے، اس بنا پر کسی متوفی کی لڑکی اگر وراثت مین حصہ پائے تو خواہ وہ کسی کی زوجیت مین ہو، اس کو اس جائداد پر پورا اور کامل اقتدار حاصل رہتا ہے، اسی طرح معاہدہ ازدواج کے بدل یعنی مہر کی مستحق خود زوجہ ہوتی ہے، المہر حق المراۃ ایک مسلمہ قاعدہ ہے[1]، اسی قاعدہ کی بنیاد پر امام شافعی نے قرار دیا ہے کہ مہر کی مقدار زوجہ کی جانب سے مقرر کی جا سکتی ہے[2]،

اس سلسلہ مین ایک مسئلہ یہ ہے کہ ازدواج تو عمل مین آیا لیکن مہر کا تعین نہین ہوا، یا سرے سے مہر ٹھہرایا ہی نہین گیا، اس صورت مین گو فقہائے احناف نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر زفاف ہو جائے یا زوجین مین سے کوئی فوت ہو جائے، تو مہر لازم ہو جائے گا، لیکن امام شافعی کے نزدیک اگر قبل زفاف کے موت واقع ہو جائے، تو کوئی مہر لازم نہ ہوگا، مگر بعد کے بعض شوافع کی یہ رائے ہے کہ زفاف کی صورت مین مہر لازم ہو جاتا ہے، امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ مہر زوجہ کا حق ہے، اس لئے وہ اس بات کی مختار ہے، کہ جس طرح ازدواج کے بعد مہر معاف کر سکتی ہے، اسی طرح ازدواج کی ابتدا مین بھی اس کی نفی کر سکتی ہے[3]،

جائداد مین عورت کا حق تصرف

عصری مسلمات قانون مین سے یہ اصول بھی ہے کہ ہر فرد اپنی جائداد کے بارے مین قیود اور بندشون سے آزاد ہے[4]، اسلام نے یہ آزادی عورت کو بھی عطا کی ہے،

۱ مرغینانی ہدایہ ص ۳۰۴، جلدین اولین، مطبوعہ مصطفائی دہلی ۱۳۲۳ھ ۲ ایضاً ۳ ایضاً [illegible]
۴ براکس، ماڈرن ڈیموکریسیز ص ۰۰، جلد اول ۱۹۲۱ء،

فقہائے اسلام کے یہاں یہ ایک کلیہ مسلمہ ہے کہ "انّ المراۃ مختارۃٌ فی التصرف فی مالہا" اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ عورت خواہ شادی شدہ ہو، یا غیر شادی شدہ اپنے مال میں تصرف کرنے کی ہر طرح مجاز و مختار ہے،[۱]

تصرف سے یہ مراد ہے کہ مالک اپنی جائداد میں چاہے، وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، وسیع یا محدود طور سے ہر قسم کا عمل کرنے کا مستحق ہے، مالک چاہے تو بلا اشتراک احدے جائداد اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے، اور غیر محدود طریقہ سے اس پر اپنے حقِ مالکانہ کا استعمال کر سکتا ہے، اور اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور اُس کو اس امر کی بھی آزادی حاصل ہے، کہ اپنی جائداد بیع یا ہبہ کرد یا زمین اُجاڑ دے اور مال تلف کر دے،[۲]

علامہ مرغینانی کے لکھے ہوئے اس قاعدہ انّ المراۃ مختارۃ فی التصرف فی مالہا میں التصرف سے وہی تصرف مراد ہے، جس کی توضیح اوپر کی گئی،

زوجہ اور شوہر کے باہمی تعلقات کی چند مثالیں

ان اصولی قاعدوں کی صراحت کے بعد بے محل نہ ہوگا، اگر زوجہ اور شوہر کے باہمی تعلقات کے تعلق سے چند مثالیں بیان کی جائیں،

۱۔ اگر ایک مرد نے گھر کے کام کاج کے لئے اپنی زوجہ کو اجرت پر ایک ماہ کے لئے مقرر کیا تو یہ صورت جائز نہیں ہے، اور زوجہ اجرت کی مستحق نہ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیانۃً زوجہ گھر کے کام کاج کے لئے ذمہ دار ہے، اس لئے اس قسم کے کام کے لئے اس کو کوئی اجرت نہیں مل سکتی گھر کے کام کاج کی منفعت خود زوجہ کو بھی حاصل ہوتی ہے، اور کسی انسان کو کسی ایسے کام کی اجرت نہیں مل سکتی جس کا فائدہ خود اس کی ذات کو حاصل ہو،

[۱] المرغینانی ہدایہ ص ۲۴۴، جلد اولین مطبوعہ مصطفائی دہلی ۱۳۰۴ھ [۲] تصرف کے اس مفہوم میں عصری انگلستانی قانون اور اسلامی قانون میں کوئی اختلاف نہیں ہے، دیکھئے، ہدایہ ص ۲۳۷، جلد میں آخرین نیز دیکھئے

لیکن اگر شوہر اپنی زوجہ کو اپنے کپڑے دھونے کے لئے اجرت پر مقرر کرے تو اس صورت میں زوجہ اجرت کی مستحق ہوگی، کیونکہ زوجہ دیانۃً اس کام کی ذمہ دار نہیں ہے، اور کپڑے دھونے کی منفعت صرف شوہر کو حاصل ہوتی ہے، اس لئے زوجہ اجرت کی مستحق ہے، اسی طرح اگر بکریوں کے ریوڑ کو چرانے کے لئے کوئی شوہر اپنی زوجہ کو مقرر کرے تو اس کام کی اجرت زوجہ کو دلائی جائے گی،

اسی طرح اگر کوئی زوجہ اپنے شوہر کو اپنے کسی ذاتی کام کے لئے اجرت پر مقرر کرے، تو جائز ہے[۳]

۲۔ قصاص تمام وارثوں کا حق ہے چاہے وہ ذوی الانساب ہوں یا ذوی الاسباب، اور مرد، عورتیں، بچے، اور بڑے سب کو یکساں اس کا حق ہے، ان میں سے جو بھی قصاص معاف کر دے صحیح ہوگا، اور قصاص معاف ہو جائے گا، اور کسی شخص کو قصاص طلب کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے گی، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے،[۴]

۳۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کو مار ڈالے، یا کوئی عورت کسی مرد کو مار ڈالے تو قصاص لازم ہوگا، عام اہلِ علم کا قول ہے کہ

"انّ الرّجل یقتل بالمراۃ"

یہ حکم شارع علیہ السلام کے اس مکتوب گرامی میں درج کیا گیا تھا، جو اہلِ یمن کے نام لکھا گیا تھا، اس سے یہ اصول مستنبط کیا گیا کہ

"وجب القصاص لزوجین کما فی الدیۃ فینبغی ان تقتص المرأۃ من الزوج والزوج من المراۃ،"[۵]

یعنی دیت کی طرح قصاص بھی زوجین پر واجب ہوگا، اور شوہر کا قصاص بیوی سے اور بیوی کا قصاص شوہر سے لیا جائے گا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۴) لا آف ٹارٹس ص ۳۵۲ ۱۹۲۹ء، نیز دیکھئے میری تالیف جنابات بر جائداد، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند حصہ اول باب اول [۳] فتاویٰ قاضی خان، جلد ۳ مطبوعہ ۱۸۳۵ء [۴] المغنی موفق الدین ابن قدامہ جلد ۹ [۵] نور الانوار ملا جیون ص ۲۹۹ مطبوعہ یوسفی لکھنؤ،

۴۔ اگر شوہر اپنی زوجہ کو اس کے کسی نشوز کی بنا پر مارے اور یہ مار خواہ معتاد ہو یا غیر معتاد اور اسی کی وجہ سے زوجہ فوت ہو جائے تو سب فقہاء کے نزدیک شوہر ذمہ دار قرار پائے گا،[1]

۵۔ اگر شوہر و زوجہ میں گھر کے ساز و سامان کی ملکیت کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو جائے، تو عرف کے لحاظ سے جو سامان مرد کا ہو سکتا ہے، وہ شوہر کا قرار پائے گا اور جو عورت کا ہو سکتا ہے، وہ زوجہ کا قرار پائے گا،[2]

۶۔ اگر کسی دوسری زوجہ سے شوہر کے شیر خوار بچہ ہو، اور اس کو دودھ پلانے کے لئے شوہر اپنی کسی اور زوجہ کو اجرت پر مقرر کرے، تو جائز ہے،[3]

اسلام میں زوجہ کی متمائز حیثیت کی چند مزید مثالیں،

ان مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ شادی کے بعد عورت شوہر کی علیحدہ اور متمائز حیثیت رکھتی ہے، اور میاں بیوی دونوں مل کر ایسی وحدت نہیں ہو جاتے، جس میں صرف مرد ہی غالب ہو، بلکہ زوجین میں سے ہر ایک کی دوسرے سے علیحدہ آزاد قانونی حیثیت ہوتی ہے، اور ہر ایک کو اپنی جائداد پر کامل اختیار حاصل ہوتا ہے،

اس سلسلہ میں چند امور اور بھی ایسے ہیں، جن کا یہاں بیان کرنا مناسب ہوگا،

اگر کسی کے قرضہ کی وجہ سے زوجہ قید کر دی گئی، تو اس صورت میں شوہر پر نفقہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ شوہر کے ساتھ رہنے کے حق میں خود زوجہ نے اپنے ذاتی عمل سے رکاوٹ پیدا کی، اس لئے اس کو نفقہ حاصل کرنے کا استحقاق باقی نہیں رہا،[4]

۲۔ اگر زوجین میں سے کوئی دوسرے کا مال چرائے تو حد جاری نہ ہوگی، اور یہ سمجھا جائے گا کہ

---

[1] فتاوی قاضی خان ص ۲۰۶ جلد ۳، مطبوعہ ۱۳۳۵ء [2] معین الحکام علاء الدین الطرابلسی ص ۱۶۱، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ

[3] المرغینانی، الہدایہ ص ۳۲۵ جلد دوم اولین، مطبوعہ مصطفائی، دہلی ۱۳۰۷ھ، [4] مرغینانی ہدایہ ص ۴۰۱ جلد اولین مطبوعہ مصطفائی دہلی ۱۳۰۷ھ،

ایک کو دوسرے کے پاس آنے جانے کی اجازت عادۃً حاصل تھی، اس طرح مال حرز میں نہیں تھا، اس لئے اس پر سرقہ کا اطلاق نہ ہوگا، اگر زوجین میں سے کوئی کسی ایسے محفوظ مقام سے ایک دوسرے کا مال چرائے، جو دوسرے سے مختص ہے، اور جہاں دونوں مل کر سکونت نہیں رکھتے تھے، تو اس صورت میں بھی حد جاری نہ ہوگی، کیونکہ عادۃً میاں بیوی میں سے ایک کے مال میں دوسرے کو وسعت حاصل رہتی ہے،[1]

یہ امام اعظم کا مسلک ہے لیکن امام مالک کے نزدیک اگر شوہر و زوجہ علیحدہ مکانوں میں رہتے ہوں اور وہاں ہر ایک سے مختص سامان ہو، اور دونوں میں سے کسی نے سرقہ کا ارتکاب کیا تو حد جاری ہوگی،[2]

امام شافعی کے مسلک کے سلسلہ میں امام نووی نے لکھا ہے کہ زوجین میں سے جو بھی سرقہ کا ارتکاب کرے، اس پر حد جاری ہوگی،[3] علامہ رملی نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر اس مسئلہ میں یہ شبہہ پیدا ہو کہ چونکہ زوجہ کو نفقہ حاصل کرنے کا حق موجود ہے، اس لئے سرقہ کی صورت میں حد جاری نہ ہونی چاہئے، تو اس کا کوئی اثر نہیں ہے، کیونکہ نفقہ مقرر اور محدود ہوتا ہے،[4]

۳۔ امام شافعی کے نزدیک زوجین میں سے ایک کی شہادت دوسرے کے لئے قبول کی جائیگی،[5] یہ قاعدہ انھوں نے اس اصول پر متفرع کیا ہے، کہ دونوں کی جائدادیں ایک دوسرے کی جائداد سے متمیز ہوتی ہیں، اور ہر ایک کا قبضہ اپنی جائداد پر مکمل ہوتا ہے، اور دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی جائداد میں تصرف نہیں کر سکتا، اور ایک سے دوسرے کا قصاص لیا جاتا ہے، اس لئے اگر دونوں میں سے ایک دوسرے کا قرضدار ہو تو اس کی عدم ادائگی کی صورت میں وہ شوہر ہو یا زوجہ قید بھی ہو سکے گی،[6]

علامہ آلی نے وضاحت کی ہے کہ شوہر اور زوجہ کا رشتہ معاہدہ کی بنا پر ہے جو قائم بھی رہ سکتا اور

---

[1] ہدایہ حسب تعلیق گذشتہ ص ۴۲۰، [2] بدایۃ المجتہد ابن رشد ص ۳۷۰ جلد ثانی مطبوعہ استنبول ۱۳۳۳ ہجری،

[3] المنہاج محی الدین النووی ص ۱۳۲، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، [4] نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج شمس الدین الرملی ص ۴۲۵ جلد ۷، مطبوعہ مصر، [5] المنہاج محی الدین النووی ص ۱۴۰، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، [6] ہدایہ حسب تعلیق گذشتہ

اور تذلیل بھی ہو سکتا ہے، اس لئے ایک کے لئے دوسرے کی شہادت ممنوع نہیں قرار دی جاسکتی، اور جس طرح اجیر مستاجر کے لئے شہادت دے سکتا ہے، اور مستاجر اجیر کے لئے، اسی طرح زوجین کا بھی حال ہے،[1]

بحث کا خلاصہ اور نتیجہ اس بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ معاہدۂ ازدواج کی بنا پر زوجہ کی علیحدہ ذاتی حیثیت کسی وحدت میں نہیں بدل جاتی، اور اس کو اپنی ذاتی جائداد پر بلا شرکت احدے کامل اختیار حاصل رہتا ہے،

اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک جنایت کا ارتکاب کرے تو مرتکب ہی ذمہ دار ہو گا خواہ وہ شوہر ہو یا زوجہ یعنی اگر زوجہ سے کسی جنایت کا ارتکاب ہو خواہ وہ شوہر کے مقابلہ میں ہو یا کسی اور کے مقابلہ میں تو زوجہ ہی بذات خود ذمہ دار ہو گی، اور شوہر یا دوسرے شخص کی جانب سے براہ راست زوجہ پر نالش دائر ہو سکے گی، اسی طرح اگر شوہر سے زوجہ یا کسی اور شخص کے خلاف کوئی جنایت صادر ہو، تو شوہر پر زوجہ یا کسی اور شخص کی جانب سے براہ راست نالش دائر ہو سکے گی،

رسالہ اسلامک ریویو لندن کی اشاعت بابتہ جون سنہ ۱۹۵۱ء (جلد ۳۹ شمارہ ۶) میں شائع ہوا تھا کہ لندن کے ایک اخبار سنڈے پکٹوریل کے اڈیٹر نے لکھا تھا کہ اسلام میں زوجہ اپنے شوہر کی جائداد ہوتی ہے، اس کے الفاظ یہ تھے کہ

"She (wife) is no more than her husbands' property." (in Islam)

گذشتہ صفحات میں اسلامی قانون کی تحلیل کی گئی ہے، اور انگلستانی قانون سے اس کا جو مقابلہ کیا گیا ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قانون میں زوجہ کے حقوق کس قدر وسیع ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ...) ص ۴۹۰ و ص ۴۹۱ جلد پنجم آخرین، [1] نہایۃ المحتاج حسب تعلیق بالا ص ۱۳۵ جلد ۸،

اور ان کی صیانت کے لئے کس درجہ اہتمام کیا گیا ہے، غیر قوم کے لوگ محض ناواقفیت کی وجہ سے کس طرح غلط بیانی کر جاتے ہیں، نہ صرف پرانے عیسائی اصول وضوابط بلکہ انگلستان اور امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے عصری قوانین کا اسلامی قوانین سے مقابلہ کیا جائے، تو معلوم ہو گا کہ دوسرے قوانین کے مقابلہ میں اسلام کے قوانین کس قدر اعلیٰ اور عملی ہیں،

ابھی حال میں ماڈرن لا ریویو لندن کے اپریل سنہ ۱۹۵۲ء کے پرچہ میں لندن یونیورسٹی کے پروفیسر قانون Prof. O. Khan-Freund کا ایک مقالہ میاں بیوی کے قانون کی ناانصافیوں اور اس کے متضاد پہلوؤں کے متعلق شائع ہوا ہے، اس مقالہ میں بڑی محنت اور قابلیت سے واضح کیا گیا ہے کہ سنہ ۱۹۳۵ء کے ایک لا فارم ایکٹ کی انقلابی تبدیلیوں کے باوجود آج بھی بیوی قانون کی ناانصافیوں اور متناقض احکام کی موضوع بنی ہوئی ہے،

(باقی)

عرب کی موجودہ حکومتیں

جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں، نجد و حجاز، عسیر و یمن، [illegible] نواحی، [illegible]، بحرین، کویت، اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں،

ضخامت: ۱۷۰ صفحے، قیمت ۱۲؎

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

"منیجر"

اسلام مین جانورون پر شفقت کی تعلیم

از

مولینا عبد السلام ندوی

غیر مذاہب والون نے مسلمانون کو جو جو خطابات دیئے ہین، ان مین وحشی، بیرحم، سنگدل اور درندہ صفت بھی ہے، اگر اس قسم کے الفاظ شخصی اور ذاتی طور پر مسلمان قوم کے چند یا بہت سے افراد کے متعلق استعمال کئے جاتے، تو ہم کو بحث کی ضرورت نہیں پڑتی، لیکن غیر قومون کا خیال ہے کہ یہ وحشت، بیرحمی، سنگدلی اور درندگی، خود اسلامی تعلیمات کا نتیجہ ہے، اس لئے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ اسلام نے اس قسم کی تعلیم دی بھی ہے یا نہین؟،

اسلام نے خود بنی نوع انسان کے ساتھ لطف و محبت اور رفق و ملاطفت کی جو تعلیم دی ہے، اُس سے اس وقت بحث نہین ہے، بلکہ اس سے کمتر درجہ کی مخلوق یعنی جانورون کے ساتھ اسلام نے جس حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، صرف اس کی تفصیل مقصود ہے،

دنیا مین جانورون کی مختلف قسمین ہین، جن مین سب سے مفید وہ جانور ہین، جو مختلف حیثیتون سے انسان کے کام آتے ہین، اور اُنکے ذرائع معاش کا تعلق زیادہ تر انھی جانورون کے ساتھ ہے مثلاً بیل گائے، بھینس، اونٹ، اور گھوڑے وغیرہ انسان کی زرعی اور تجارتی اغراض کے لئے نہایت ضروری ہین،

اور انسان کی معاش کا بڑا حصہ انھی کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے خاص طور پر ان جانورون کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے، اور اُس کے متعدد طریقے بتائے ہین،

۱- ایک یہ کہ جو جانور جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس سے وہی کام لینا چاہئے، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"ایک شخص ایک بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا، بیل نے مڑ کر کہا کہ مین اس کے لئے نہین پیدا کیا گیا ہون، صرف کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہون"،

یہ ایک ایسا کلی اصول ہے جس کو اس قسم کے تمام جانورون کے متعلق استعمال کیا جا سکتا ہے مثلاً گھوڑا سواری کے لئے پیدا کیا گیا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کو ہل مین جوتنے لگے، تو یہ اس کے لئے فطرتی طور پر ایک تکلیف دہ کام ہوگا،

۲- ان جانورون کے آرام و آسایش سے رکھنے کا حکم ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ

"جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ مین سفر کرو تو اونٹون کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہونچاؤ، اور جب قحط کے زمانہ مین سفر کرو تو ان کو تیزی کے ساتھ چلاؤ"،

تاکہ قحط کی وجہ سے ان کو گھاس یا چارے کی جو تکلیف راستہ مین ہوتی ہے، اس سے وہ جلد نجات پا جائین،

ایک بار آپ نے ایک اونٹ کو دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، فرمایا:-

"ان بے زبان جانورون کے معاملہ مین خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو ان کو اچھی حالت مین رکھ کر سوار ہو، اور اُن کو کھاؤ تو اُن کو اچھی حالت مین رکھ کر کھاؤ"،

اسی قسم کے جانورون مین وہ جانور بھی شامل ہین، جو ذبح کر کے کھائے جاتے ہین، اور انسانی معاش کا ایک حصہ ان جانورون کے گوشت کو فروخت کر کے پیدا کیا جاتا ہے، اگرچہ اسلام نے انکے ذبح

کرنے اور ان کے گوشت کے کھانے کی ممانعت نہیں کی ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو انسان نہ صرف ایک لذیذ غذا کی لذت سے محروم رہ جاتا بلکہ ایک بہت بڑا تجارتی سلسلہ بھی درہم برہم ہوجاتا، تاہم اسلام نے اُن کے ذبح کرنے کے طریقوں کو جہان تک غیر تکلیف دہ بنایا جاسکتا تھا، بنایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"خدا نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے، اس لئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقون سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو، تم مین ہر شخص اپنی چھری کو تیز کرے، اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے"،

ایک حدیث مین ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ

"یارسول اللہ مین بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھ اس پر رحم آتا ہے، یا یہ کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے کہ بکری کا کو ذبح کرون"

فرمایا کہ

"اگر تم بکری کا پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر بھی رحم کرے گا"،

یہ اُن صحابی کی نرم فطرت کا نتیجہ تھا لیکن جس طرح ہندؤن مین ایک فرقہ ہے جو کسی جانور کو آزار نہین دیتا اسی طرح مسلمان صوفیون کا ایک گروہ بھی تھا، جو کسی جانور کا مارنا یا اس کا شکار کرنا جائز نہین سمجھتا تھا، چنانچہ جاحظ نے کتاب الحیوان مین لکھا ہے کہ

صحبت سے مسلمان شکار کرنے سے بیزاری ظاہر کرتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ یہ سنگدلی ہے اور شکاریون مین اس لئے پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ گھونسلون سے چڑیون کو پکڑتے ہین، ہرنون کے لئے جال بچھاتے ہین، جو جال مین پھنس کر بھوکہ اور لاغری سے مرجاتے ہین، اور شکاری جانورون کو جنگلی جانورون پر چھوڑتے ہین، یہ باتین ان مین اس قدر بے رحمی پیدا کردیتی ہین

کہ وہ انسانون کی خونریزی کو بھی ایک معمولی درجہ کی چیز سمجھنے لگتے ہین، اور رحم کی شکل ایک ہی ہے، اس لئے جو شخص کتے پر رحم نہ کرے گا، وہ ہرن پر بھی رحم نہ کرے گا، اور جو شخص ہرن پر رحم نہ کرے گا، وہ بکری کے بچے پر بھی رحم نہ کرے گا، اور جو شخص گنجشک پر رحم نہ کرے گا، وہ چھوٹے چھوٹے بچون پر بھی رحم نہ کرے گا، چھوٹی چھوٹی باتون سے بڑی بڑی باتین خود بخود پیدا ہوجاتی ہین، اس لئے کسی کو یہ حق نہین ہے کہ جو چیزین سنگدلی پیدا کرتی ہین، اُن کو حقیر سمجھے، مین نے زیادہ تر اس قسم کی باتین صوفیون سے سُنی ہین"،

اسلام کی ابتدائی صدیون مین ایک عجمی فرقہ مانویہ تھا، جو اس کے مذہبی پیشوا مانی کی طرف منسوب تھا، یہ لوگ کسی جانور کو ذبح نہین کرتے تھے، خونریزی کو سخت ناپسند کرتے تھے، اور گوشت کھانے سے پرہیز کرتے تھے، ممکن ہے کہ ہمارے صوفیون کے اس گروہ نے یہ باتین انہی سے سیکھی ہون، لیکن یہ ضروری نہین ہے کہ مسلمان جن باتون مین غیر مذہب والون کی تقلید کرین، وہ سب کی سب بدعت اور ناجائز قرار دی جائین، صرف دیکھنا یہ ہے کہ یہ باتین اصولِ اسلام کے خلاف ہین یا نہین؟ اگر اصولِ اسلام کے مخالف نہین ہین تو اُن کو بدعت یا ناجائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہین، اس لئے جانورون پر شفقت کی حد تک تو صوفیون کا طرزِ عمل اسلام کے خلاف نہین ہے لیکن حلال جانورون کے ذبیحہ اور گوشت سے احتراز یقیناً اسلامی تعلیم کے خلاف ہے،

البتہ جاحظ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر جانورون کے قتل کو عموماً بے رحمی قرار دیا جائے، اور رحم و محبت کے دائرے کو غیر معمولی وسعت دیدی جائے، تو موذی جانورون مثلاً شیر، بھیڑیئے، اور سانپ بچھو کا قتل بھی ناجائز ہوگا، لیکن اسلام نے اس معاملہ مین بھی اپنے اصولِ اعتدال کو نہین چھوڑا ہے، اس لئے اگرچہ تمام جانورون پر رحم کرنے کی تعلیم دی ہے، تاہم موذی جانورون کے قتل کو جائز بلکہ ضروری قرار دیا ہے، جس کی تصریح احادیث مین موجود ہے،

حرم مین اگرچہ جانورون کا مارنا حرام ہے، تاہم چند موذی جانورون کو حرم مین بھی پناہ نہیں ملتی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ

خمس من الدواب کلہن	پانچ جانور جو سب کے سب فاسق ہین،
فاسق یقتلن فی الحرم الغراب	حرم مین قتل کئے جاسکتے ہین، کوا، چیل،
والحداۃ والعقرب والفارۃ و	بچھو، چوہا، اور کاٹ کھانے والا
الکلب العقور،	کتا،

یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے، بعض دوسری حدیثون مین ان موذی جانورون کی تعداد سات بتائی گئی ہے، یعنی بھیڑیے اور چیتے کا بھی اضافہ کیا گیا ہے، لیکن چونکہ ان جانورون کے قتل کرنے کی علت ان کا فسق ہے، اس لئے ہر وہ جانور جو فاسق ہے، ان مین شامل ہے، اور فسق کے معنی یہ ہین کہ یہ جانور موذی، مفسد اور غیر مفید ہین، کوا ایک نجس جانور ہے، جو غلیظ کھاتا ہے، اور مرغیون کے بچون اور انڈون کو اٹھالے جاتا ہے، چیل بھی مرغیون کے بچے کو اٹھالے جاتی ہے، اور دوسرے قسم کے مالی نقصانات بھی پہنچاتی ہے، گوشت کے لوتھڑون کے علاوہ بعض اوقات سونے کے زیورات کو بھی اٹھالے جاتی ہے، چنانچہ بخاری مین اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور ہے، بچھو ڈنک مارتا ہے، چوہا اگر صرف غلے کو نقصان پہنچاتا تو قابل معافی ہوسکتا تھا لیکن اس کے علاوہ قیمتی کپڑون کو بھی کتر جاتا ہے، چراغ کی جلتی ہوئی بتی کو اٹھالے جاتا ہے، جس سے بعض اوقات گھر مین آگ لگ جاتی ہے، کاٹ کھانے والا کتا انسان کو زخمی کر دیتا ہے، اور اس کا زہر مہلک ہے،

امام مالک کا قول ہے کہ ہر وہ جانور جو انسان پر حملہ کرتا ہے، اس کو عقور کہتے ہین، مثلاً شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ،

سانپ اور بچھو کے علاوہ بعض زہریلے جانور ایسے بھی ہین، جن مین کسی قدر سمیت پائی جاتی ہے

لیکن ان سے انسان کو ضرر بہت کم پہونچتا ہے، مثلاً جونٹی بالخصوص شہد کی مکھی کہ وہ اگرچہ ڈنک بھی ماتی ہے لیکن چونکہ وہ شہد پیدا کرتی ہے، جو نہایت مفید چیز ہے، اس لئے اسلام نے ان دونون جانورون کے مار ڈالنے کی ممانعت کی ہے لیکن ان تمام جانورون سے الگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے کتون کے مار ڈالنے کا حکم دیا تھا، پہلے یہ حکم عام تھا، مگر بعد کو بکریون، مویشیون اور کھیتی باڑی کی حفاظت کرنے والے کتون کو اس سے مستثنیٰ فرمادیا، پھر اس حکم مین اور بھی وسعت اور عمومیت کردی اور فرمایا :-

لولا ان الکلاب امۃ من الامم	اگر کتے ایک امت نہ ہوتے تو مین تمام کتون
لامرت بقتلہا کلہا فاقتلوا منہا	کے مار ڈالنے کا حکم دیتا، اس لئے صرف ان
کل اسود بہیم،	کتون کو مارو جو سیاہ فام ہون،

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی موذی، نجس، اور نقصان رسان جانور کی نسل کو بھی کلیۃً فنا کرنا نہین چاہتا، بلکہ ان کو ایک قوم سمجھتا ہے جس کا باقی رکھنا ضروری ہے،

جانورون کے مار ڈالنے کی ایک صورت شکار بھی ہے، جس کو اسلام نے غذائی اور اقتصادی ضرورتون سے جائز رکھا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین :-

"شکار کرنا اہل عرب کا عام طریقہ تھا، یہان تک کہ یہ ایک پیشہ بن گیا تھا جس پر ان کی معاش کا دار و مدار تھا"

آج بھی ہندوستان مین ایک قوم کا جس کو چڑیمار کہتے ہین، یہ ایک پیشہ ہے لیکن شکار کے دو مقصد ہوسکتے ہین، ایک تو یہ کہ ضرورۃً کسی جانور کا شکار کیا جائے جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہونچے دوسرے یہ کہ نہایت بیرحمانہ طریقہ پر جانورون کی نسل کا خاتمہ کیا جائے، اسلام نے صرف پہلی ضرورت سے شکار کو جائز کیا ہے، لیکن اس جواز کا مقصد یہ نہین ہے کہ جانورون کی نسل کا خاتمہ کیا جائے اور اپنے اندر

بیرحمی کے جذبات پیدا کئے جائین، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا ضرورت کسی جانور کے قتل کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا،

ایک حدیث مین ہے کہ

"اگر کسی نے گنجشک یا اس سے بھی کسی چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا، تو خدا اس کے متعلق اس سے بازپرس کرے گا،

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا:-

"یہ کہ اس کو ذبح کرے اور کھائے، یہ نہین کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دے"

سنن نسائی مین ہے کہ

"جو شخص گنجشک کو بلا ضرورت مارے گا، وہ قیامت کے دن خدا کے یہان فریاد کرے گی کہ فلان نے مجھکو بلا ضرورت مارا ہے، اس سے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا"

ان حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ جن جانورون کا گوشت نہین کھایا جاتا، اور وہ موذی بھی نہین ہین تو ان کا شکار جائز نہین،

اسلام نے جانورون کے قتل کو جن اسباب کی بنا پر جائز کیا ہے، وہ سب یکسان نہین ہین، ان مین ایک سبب فصلون اور کھیتون کو نقصان بھی ہو سکتا ہے مگر اسلام نے ایسے جانورون کو مار ڈالنے کا حکم نہین دیا ہے، بلکہ فصل اور کھیتی کے اس نقصان کو ایک قسم کا صدقہ اور ایک قسم کی خیرات قرار دیا ہے یعنی جس طرح انسانون کا یہ فرض ہے کہ بھوکے اور محتاج انسانون کو کھلائین، پلائین، اور خدا سے اس کا ثواب حاصل کرین، اسی طرح اگر جانور بھی ان کے غلہ یا ان کے پھل سے فائدہ اٹھائین تو ان کو اس کا ثواب ملے گا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو مسلمان درخت نصب کرتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس کو چڑیا یا انسان یا جانور کھاتا ہے تو یہ ایک صدقہ یعنی ثواب کا کام ہے" ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ انصار

اپنے اپنے باغون کے گرد چار دیواریان قائم کر دی ہین، فرمایا کہ نماز جمعہ کے بعد چلے نہ جانا مین کچھ کہون گا، جب نماز ہو چکی، تو تمام انصار منبر کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ پہلے قوم کا تاوان دیتے تھے یتیمون کی پرورش کرتے تھے، دوسری نیکیان کرتے تھے لیکن اسلام لانے کے بعد اپنے مال کی اس قدر حفاظت کرتے ہو، انسان جو چیز کھا لیتا ہے، اس کا ثواب ملتا ہے، چڑیان جو کچھ کھاتی ہین اس کا ثواب ملتا ہے، انصار پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پلٹے تو سب نے اپنے اپنے باغ کی چار دیوارون مین شگاف کر دیئے کہ ان کے ذریعہ سے جانور اور چڑیان باغون کے پھل کھا سکین،

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس نقصان کی بھی ایک حد مقرر ہے اگر اس سے انسانون کا پیٹ کٹنے لگے تو وہ اس تعلیم مین داخل نہ ہوگا، جیسا کہ آج کل بندرون کا حال ہے، بہرحال ان تصریحات سے ظاہر ہوگا کہ جانورون پر شفقت اور رحم کے بارہ مین اسلام کی تعلیم کس قدر معتدل اور حکیمانہ ہے،

دار المصنفین کی نئی کتاب

اسلام اور عربی تمدن

یعنی

شام کے مشہور فاضل محمد کرد علی کی کتاب الاسلام والحضارة العربیہ کا ترجمہ جس مین مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن پر علمائے مغرب کے اہم اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور یورپ پر اسلام اور مسلمانون کے اخلاقی علمی اور تمدنی احسانات اور اس کے اثرات و نتائج کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور قرون وسطیٰ مین اس کی جہالت اور وحشت و بربریت اور اس دور ترقی مین اس کی پرفریب سیاست کا پردہ چاک کیا گیا ہے اس سلسلہ مین مسلمانون کی علمی و تمدنی تاریخ پر اجمالی تبصرہ بھی آگیا ہے،

(از شاہ معین الدین احمد ندوی)

"مینیجر"

مولانا مظفر شمس بلخی

اور

سند حدیث

از جناب مولانا عبد الرؤف اورنگ آبادی

مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نور اللہ مرقدہ کے سلسلۂ ذکر میں بعض مورخین اور اکثر تذکرہ نویسوں نے مولانا امام شیخ الاسلام مظفر شمس بلخی برد اللہ مضجعہ کا بھی ذکر کیا ہے،

آئین اکبری، سیر المتاخرین، اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیاء، مناقب الاصفیاء، معدن الاسرار، مونس القلوب، کاشف الاسرار، گنج لایخفیٰ، رسالۂ شیخ بہرام بہاری، رسالہ مطلوب المبارک، وفات نامہ زین بدر عربی، وسیلۂ شرف میں مخدوم جہان کے ذیل میں مولانا موصوف کا ذکر خیر کہیں ایجاز اور کہیں اطناب سے آتا ہے، مولانا موصوف کی ہستی علم و فضل سلوک و عرفان کے اعتبارات اور مخدوم جہان کے مجاز و خلیفہ کے لحاظ سے متعارف ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ بزم صوفیہ کی یہ منفرد اور جلیل القدر ہستی اہل نظر کے سامنے اپنے پورے خد و خال کے ساتھ آ جاتی، اس لئے مذکورہ بالا تذکروں، مخدوم جہان اور مولانا کے مکتوبات اور باخبر اصحاب کی روایات خاندانی کے حوالہ سے مولانا مظفر شمس بلخی کا مختصر تذکرہ مرتب کر کے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں مولانا موصوف کے دست خاص کی ایک نادر سند حدیث[1] بھی دوست احباب کی خدمت میں پیش کی جائے گی، تاکہ ہندوستان میں علم حدیث کے عنوان سے جو سلسلہ[2] شروع ہوا تھا، اس کی یہ زرین کڑی بن سکے، وما توفیقی الا باللہ،

[1] یہ سند مخدوم فاضل دوست مولوی سید فصیح الدین بلخی مولف تاریخ مگدھ و بہار اور ریسرچ اسکالر پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ (باقی ص ۲۰۹ پر)

نام و نسب

مظفر نام ہے، سلطان شمس الدین بلخی مرحوم کی نسبت سے شمس، اور وطن مالوف بلخ کی نسبت سے بلخی کے نام سے مشہور ہوئے، مولد خاص بلخ ہے، سنہ ولادت صحیح معلوم نہیں، مگر قیاس یہ ہے کہ ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی ہجری کے اول میں ولادت ہوئی،

سلسلۂ نسب بسند صحیح یہ ہے، مظفر ابن سلطان شمس الدین بلخی ابن سید علی ابن حمید الدین ابن عمران الدین ابن سید بزرگ ابن محمود ابن سلطان ابراہیم ابن ادہم ابن سلیمان ابن ناصر الدین ابن محمد ابن یعقوب ابن احمد ابن اسحاق ابن زید ابن محمد ابن قاسم ابن علی اصغر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۸) اور مخلص مکرم مولانا حکیم شاہ تقی حسن بلخی سجادہ نشین خانقاہ فتوحہ پٹنہ کے یہاں محفوظ ہے، اس کی نقل میں نے علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے پاس کراچی بھیجی تھی جس کے جواب میں علامہ موصوف نے تحریر کیا تھا کہ حضرت مخدوم بہاری اور حضرت مظفر شمس بلخی وغیرہ حضرات کے علم و فن میں کیا شک ہے، ان کے فضائل ظاہری و معنوی روشن ہیں مگر آپ نے ان کی سند حدیث اور درس بخاری و مسلم کا ثبوت خوب پیدا کیا ہے، حضرت مخدوم بہاری اور حضرت مظفر شمس رحمہما اللہ تعالیٰ کے تصوف سے میری ایسی واقفیت نہیں ہے کہ کوئی مضمون لکھ سکوں، اور ان کی کتابیں بھی یہاں موجود نہیں ہیں، اس لئے معذوری ہے، ایک زمانہ ہوا کہ معارف میں ہندوستان میں علم حدیث پر ایک سلسلہ شروع ہوا تھا، پھر بند ہو گیا، آپ خود اس سند کو پیش کر کے ایک مختصر مضمون لکھ دیں، اور معارف میں ارسال کر دیں، [2] یہ سلسلہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے معارف میں لکھا تھا، اس سلسلہ میں مولانا شیخ نور علی محدث سہسرامی کے عنوان سے راقم کا ایک مضمون معارف بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں شائع ہو چکا ہے،

سند و قیاس ... شیخ احمد چرم پوش رحمۃ اللہ سے حصول ارادت اور اخذ بیعت اور خانقاہ احمدیہ میں گوشہ گیر ہو جانے کے بعد سلطان شمس الدین بلخی نے اپنی رفیقۂ حیات کو رفاقت و موافقت کے لئے ایک خط روانہ کیا، وصول خط کے وقت مولانا کا ارشاد کہ اگر بجائے موافقت پدر مادر ہستم با نیز موافقت پدر خواہم کرد، بعد وصول جواب پدر بزرگوار کا مولانا کو چرم پوش اور سند کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرنا اور آپ کا فرمانا کہ "اعتقاد با برکت شود کہ او اعلم راسخ باشند" (باقی ص ۲۱۰ پر)

آپ کا خاندان فقر و غنا دونوں حیثیتوں سے ممتاز اور ممدوح خلائق تھا، ایک طرف آپ کے آباؤ اجداد
بلخ کے تختِ حکومت پر عدل گستری کی اور دوسری طرف فقیری و درویشی کی مسند پر سلوک و عرفان کی
ہے کہ اولیائے کبار اور مشائخ عظام کی خانقاہوں اور خانوادوں میں ان کے نام کا اب تک کلمہ پڑھا جاتا ہے
العارفین حضرت سلطان ابراہیم ادہم قدس سرہ نے جو آپ کے اجداد میں ہیں ایک طرف قطب الاقطاب
فضیل بن عیاض اور حضرت اویس قرنی قدس سرہما سے اجازت و خلافت و خرقہ حاصل کیا اور دوسری طرف
شمس العارفین تاج الاولیا حضرت حذیفۃ المرعشی، اور خواجہ شفیق بلخی رحمہما اللہ نے ان سے اجازت و خلافت
حاصل کی ہے،

(بقیہ ص ۲۰۹) اور قیام بہار کی مدت میں علما سے مباحثہ کرنا اور مخدوم جہان سے نکات علمی کا حل کرنا اور بعض مسائل
گاہ بگاہ لا نسلّم فرمانا اور نیز صاحب مونس القلوب کا لکھنا "کہ پیش ازان کہ حضرت مخدوم شیخ مظفر مرحوم بحضرت
جہان بیایند دانشمند شدہ بودند" اور اظہار ارادت کے بعد مولانا کا دہلی روانہ ہونا، اور کوشک فیروزی میں درس الٰہی
ہونا ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ مخدوم جہان کی خدمت میں حاضری سے پیشتر مولانا صاحب عقل و تمیز تھے، اور درس
سے فراغت کر چکے تھے، اس لئے قیاس یہ ہے کہ مولانا کا سن اخذ بیعت اور خدمت اقدس میں حاضر باش ہونے کے وقت
یا ۳۰ برس ہوگا، درس گاہ فیروز شاہی میں مولانا کا ایک مدت تک قیام رہا اور پھر مولانا کا مخدوم جہان کی خدمت میں
وکہ جہد و ریاضت اور مشاغل میں رہنا اور خانقاہ کی مجاوری اور فقرائے خانقاہ کی خدمت کرنا یہ مدت بھی تقریباً بیس
ہوگی اور مکتوبات بست و ہشت یعنی جوابی مکتوبات شیخ یحییٰ منیری کے دیباچہ مطبوعہ اور اخبار الاخیار کی تصریح سے
ہے کہ مولانا اور شیخ کے درمیان مراسلہ و مکاتبہ کا سلسلہ مستقلاً پچیس (۲۵) سال رہا، اگر مکتوبات مذکور کے مکتوب بست
و مکتوبات بست و ششم و مکتوب بست و ہفتم کی آخر عبارت سے ظاہر ہو کہ شیخ سے آخر حیات تک مراسلت کا سلسلہ
حتی کہ غلبہ پیری میں بھی جبکہ ہاتھوں میں رعشہ تھا اور بینائی نے جواب دیدیا تھا تو گاہے گاہے کبھی خود لکھتے تھے اور
مولانا تقی الدین سے لکھا کر بھیجتے تھے بعد وفات شیخ آپ چھ سال تک زندہ رہے لہٰذا قرین قیاس ہو کہ دہلی

سلطان شمس الدین بلخی کا ورود ہند

آپ کے والد سلطان شمس الدین بلخی[1] نے بلخ کی ریاست و حکومت ترک کرکے اہل و عیال
کے ہمراہ شاہان ترک کے عہد حکومت میں ہندوستان پہنچکر دہلی میں سکونت
اختیار کی بمقام سکونت باغ شہزادۂ بلخ کے نام سے مشہور خاص و عام ہوا، کہا جاتا ہے کہ وہ مقام سلطان
التمش کے حوض، اور مولانا عبد الحق محدث رحمہ اللہ کے مقبرہ کے متصل تھا،

بہار کی روانگی

آپ کے دہلی وارد ہونے کے بعد سلطان محمد تغلق شاہ نے خدمت کی سعادت حاصل کی اور
دیوانی میں کوئی منصب تفویض ہوا، مگر دربار کے کسی منصب دار کی چشمک کے سبب آپ منصب ترک کرکے
پیر طریقت کی جستجو میں نکلے، بزرگان طریقت سے عقیدت اور ذوق تصوف وراثت میں ملے تھے، ترکِ
وطن اور ترکِ امارت کے بعد زاہدانہ اور درویشانہ رنگ اور گہرا ہو گیا خانقاہوں کی خاک چھانی مگر کوئی
نظروں میں نہ جچا، آخر پیر کی جستجو میں بہار کا رخ کیا، حضرت شیخ احمد چرم پوش رحمۃ اللہ پہلے سے آگاہ ہو گئے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰) مولانا کی ولادت ساتویں صدی ہجری کے آخر یا آٹھویں صدی ہجری کے اول ہی میں ہوئی ہوگی
انہی وجوہ سے آپ کے سن و سال کا بھی اندازہ ہوتا ہے تے بحوالہ رسالہ شیخ بہرام بہاری (مرید و مجاز شیخ حسین مظفر شمس
بلخی) اور رسالہ مطلوب المبارک ملفوظ مولانا شیخ آموں علیہ الرحمہ،

(حاشیہ ص ۲۱۱) لہ خزینۃ الاصفیا و تذکرۃ الاولیا فارسی،

لہ مناقب الاصفیا مصنفہ مخدوم شیخ شعیب بن شیخ جلال ابن مخدوم عبد العزیز ابن شیخ الاسلام امام محمد تاج فقیہ
منیری نبیرہ عم مخدوم جہان مطبوعہ ۱۸۹۵ء مگر بروایت رسالہ شیخ بہرام بہاری اور صاحب مونس القلوب سلطان شمس الدین
بلخی بلخ کی ریاست و حکومت ترک کرکے دہلی آتے ہوئے بہار پہنچے اور حضرت شیخ احمد چرم پوش سے بیعت حاصل کی اس کے
بعد آپ کی موافقت میں سلطان مظفر شمس بلخی اور معز الدین شمس بلخی بلخ کی بادشاہت خود ترک کرکے بلخ سے براہ راست
بہار پہنچے ہیں واللہ اعلم شیخ چرم پوش مخدوم جہان کے خالہ زاد بھائی ہیں، مزار شریف بہار شریف کے محلہ امبر میں مرجع
خلائق ہے آپ کو شیخ علاء الدین علاء الحق سہروردی سے اور انھیں شیخ سلیمان مہوسی سے اور انھیں (باقی حاشیہ ۲۱۲ پر)

تھے، چنانچہ حاشیہ نشینوں سے فرمایا کہ "دولت می آید" اور اصحاب طریقت کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے، …
گرمجوشی سے ملے، اور خانقاہ میں اپنی سجادہ کے سامنے ٹھہرایا، سلطان موصوف نے قدمبوسی کے بعد بیعت …
کیا، اور خانقاہ میں گوشہ گیر ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے، اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہو کر روحانی …
کی بادشاہت حاصل کی،

مولانا مظفر کا بہار روانہ ہونا

بہار میں قیام کے بعد خادم خاص کو بلخ روانہ کیا، اور اپنی رفیقہ حیات کو لکھا کر میں نے ترک دنیا کر کے خانقاہ کی گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے، اگر تم کو رفاقت منظور ہو تو مال و متاع فرزندوں کو حوالہ کر کے بہار چلی آؤ، نیک بی بی نے لائق فرزند سلطان مظفر شمس اور سلطان معز الدین شمس کو واقعہ سے آگاہ کیا، فرزندوں نے کہا کہ پدر بزرگوار کی رفاقت کے ہم لوگ زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ تمام خانمان چھوڑ کر کے کل وابستگان کے ہمراہ بہار کا رخ کیا اور راہ میں ظفر آباد میں ایک مدت قیام کیا اور وہاں سے منزل بمنزل ٹھہرتے بہار پہنچے،

محلہ تیجان متصل خانقاہ مخدوم اب تک مشہور عام ہے، بزرگان بلخ کو سرزمین بہار اس قدر پسند …

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۱) (۲) مولانا شیخ تقی موسی سہروردی سے ارادت حاصل تھی، خانقاہ ہنوز موجود ہے، آپکے احوال میں ایک مستند مخطوطہ ان کے اخلاف میں موجود ہے، چرم پوش حضرت مخدوم شیخ شہاب الدین جگجوت (ابن شیخ محمد کاشغر خلیفہ و مجاز شیخ شہاب الدین سہروردی (آپ کا مزار پاک جیٹھلی میں متصل پٹنہ ہنوز موجود ہے) کے نواسے ہیں اور مخدوم جہان بھی حضرت پیر جگجوت کے نواسے ہیں، اس طرح یہ ہر دو بزرگ خالہ زاد بھائی ہیں، از آثار شرف مصنفہ قاضی سید نور الحسن متوطن شیر گھاٹی،

(۳) بروایت مونس القلوب اور رسالہ شیخ بہرام بہاری اپنے فرزندوں کو بلانے کے لیے خادم خاص بلخ روانہ کیا، چنانچہ وہ بھی حکومت ترک کر کے وارد ہند ہوئے اور بہار پہنچے (۴) ظفر آباد متصل جونپور میں سلطان شمس الدین کی حرم محترم اور فرزندوں نے کافی مدت تک قیام کیا تھا، اسی بنا پر مولانا مظفر بلخی رحمہ اللہ کو جابجا تذکرہ نویسوں نے ظفر آبادی بھی لکھا ہے۔

ہوئی کہ محلہ بہار پورہ میں ہمیشہ کے لئے آسودہ ہو گئے، مگر خود سلطان شمس الدین بلخی کا مزار بیر کے جوار میں احاطہ درگاہ میں ہے،

بہار پہنچنے سے پیشتر آپ علم کی تکمیل کر چکے تھے، مگر کہاں تکمیل کی یہ نہیں معلوم، قیاس ہے کہ وطن مالوف بلخ ہی میں کی ہوگی، صاحب مونس القلوب نے مجلس سی و سوم میں "ذکر حضرت شیخ مظفر مرحوم و تعلیم ایشان در دہلی و آمدن ایشان در بہار، افتادن" کے تحت لکھا ہے کہ

"حضرت خوندگار عظمہ اللہ فرمودند پیش از آنکہ حضرت مخدوم شیخ مظفر مرحوم بر حضرت مخدوم جہان بیایند دانشمند شدہ بود و در دہلی ایشان افتادہ بودند، سلطان فیروز شاہ در کوشک سیر مدرس گردانیدہ پنج ہزار تنکہ نان و تعیین کردہ بود چند گاہ بتدریس مشغول بودند"

عنوان مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم دہلی میں ہوئی، مگر اس کے مضامین سے وضاحت نہیں ہوتی ہے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم جہان کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر فراغت پا چکے تھے، اور درسگاہ شاہی میں درس دے چکے تھے،

صاحب گنج لا یخفی کا یہ جملہ کہ "مولانا مظفر بمصلحتے پیش سلطان فیروز رفتہ بود"، غالباً درس و تدریس کی

(۱) بحسب روایت مولوی سید فصیح الدین بلخی مصنف تاریخ مگدھ بہار اور مولانا حکیم سید شاہ تقی حسن سجادہ نشین خانقاہ فتوحہ (۲) صاحب رسالہ شیخ بہرام بہاری اور مونس القلوب نے بہ تصریح تحریر کیا ہے کہ مولانا حسب طلب پدر بزرگوار ترک حکومت کر کے براہ راست بلخ سے وارد ہند ہوئے اور بہار پہنچے، (۳) مونس القلوب کی مجلس سی و سوم کے عنوان "تعلیم ایشان" سے منشا تحصیل نہیں بلکہ تدریس ہے، اس کی تائید مندرجہ مضامین سے ہوتی ہے (۴) ملفوظات مخدوم احمد لنگر دریا بلخی نبیرہ برادر زادہ مولانا مظفر بلخی مخدوم نوشہ توحید بلخی المتوفی ۱۰۹۸ھ (۵) المسمی شیخ احمد بن حسن بلخی (۶) ملفوظ مخدوم شیخ حسین معز بلخی۔

تقرری کی طرف اشارہ کر رہا ہے، صاحب مناقب الاصفیا لکھتے ہیں کہ مولانا مظفر کو علوم عقلیہ اور تفسیر میں ید طولیٰ اور درجۂ کمال حاصل تھا اور ابتدا اس قدر غلو تھا کہ جس عالم اور درویش کی صحبت میں پہنچتے نکات علمی حل کرتے اور مباحثہ و مناظرہ میں وقت صرف کرتے، اور تشفی بخش جواب نہ پاکر اس سے بدعقیدہ ہو جاتے اور اسکی صحبت ترک کر دیتے، آپکے والد مرحوم شیخ احمد چرم پوش رحمۃ اللہ کے صفات بزرگانہ خوارق درویشانہ اور کرامات عارفانہ بیشتر آپ کو سنتے، مگر آپ یہی فرماتے کہ بندہ کا عقیدہ صوفی عالم اور درویش راسخ فی العلم ہی پر ہو سکتا ہے، اس دور میں حضرت مخدوم جہان کے علوم شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت کا شہرہ بہار ہی میں نہیں، اقطاع ہند میں تھا اس لئے آپ کا رجحان مخدوم جہان کی طرف تھا، آپکے رجحان کا علم جب آپکے پدر بزرگوار کو ہوا تو آپنے فرمایا کہ "راہے رائے نست ہر جاکہ عقیدہ تو قرار گیرد آنجا توجہ کن" اس لئے آپنے مخدوم جہان کی طرف رجوع کیا، اور مشکلات علمی و نکات علمی پیش کرکے اپنی تشفی کرتے، اگرچہ وفور علم اور معقولات میں غلو کے باعث بیشتر جواب میں "لانسلم" ہی کہا کرتے تھے، لیکن آخر میں مخدوم جہان کے کمال عارفانہ کے قائل ہو کر گرویدہ ہو گئے،

مولانا کا اظہار ارادت اور مخدوم جہان کا مکرر تحصیل علم کی ہدایت کرنا

جب آپنے حصول ارادت و بیعت کی درخواست کی تو مخدوم جہان نے بیعت سے مشرف فرماکر مکرر تحصیل علم کی ہدایت کی، اور جب آپنے اکتساب طریقت کی خواہش ظاہر کی تو مخدوم جہان نے فرمایا کہ "راہ طریقت میں گامزنی اور عقبات طریقت سے مرور و عبور بغیر علم صحیح کے ناممکن ہے، تم نے جو علم حاصل کیا ہے وہ جاہ و منزلت اور تعلی و تفوق کی نیت سے کیا ہے، اور اس راہ میں ایسا علم سراسر بے نتیجہ ہے، اس لئے از سر نو لوجہ اللہ اخلاص سے تحصیل علم کرو تا کہ سلوک میں باعث برکت اور روشنی میں نتیجہ خیز ثابت ہو" پیر کے اس ارشاد پر اسی وقت بے سرو سامان تحصیل علم کے لئے نکل پڑے، اور دہلی کی راہ لی، چند ہی منزل طے کرنے پائے تھے کہ پاؤں میں چھالے پڑ گئے، چلنے سے

لہ مناقب الاصفیا ص۵ ه مناقب الاصفیا اور مونس القلوب،

مجبور ہو کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے، اتفاق سے ایک صاحب جو مخدوم جہان کے مرید اور ملک زادوں میں سے تھے اسی درخت کے نیچے ٹھہرے انھوں نے آپ کو پہچانا اور دریافت حال کیا آپنے واقعہ بتایا وہ بزرگ بھی عازم دہلی تھے اس لئے اس رفاقت پر خوش ہوئے، سواری کے لئے ایک تیز رفتار گھوڑا پیش کیا اور بکمال اعزاز و اکرام انھیں دہلی تک پہنچایا، دہلی پہنچکر آپ طلب علم میں مشغول ہوئے، تقریباً دس سال علوم الٰہیہ کی تحصیل و تکمیل میں مصروف رہے مونس القلوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخدوم جہان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی ارادت سے پیشتر مولانا دہلی میں درسگاہ فیروز شاہی میں درس و تدریس میں مشغول رہ چکے تھے مگر مناقب الاصفیاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اظہار ارادت اور اخذ بیعت کے بعد پیر کے ارشاد کے مطابق دہلی جاکر کوشک فیروز شاہی میں مدرس مقرر ہوئے، ان میں سے جو واقعہ بھی ہو، دونوں واقعے آپکے تبحر علمی کے شاہد ہیں،

مکتوبات صد و ہشتاد و یک اور ملفوظات اور مکتوبات بست و ہشت اور شرح حدیث اور درس احادیث سے بھی آپ کا علمی تبحر ظاہر ہے، مکرر تحصیل علم کی ہدایت کی حکمت بظاہر انانیت اور غرور علم کا توڑنا احساس برتری کو دور کرنا تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی صلاحیت پیدا کرنا تھا، کہا جاتا ہے کہ راہ طریقت میں غیر مخلصانہ علم زنار آہنی ہے جس کا توڑ دینا ضروری تھا،

بصیرت علمی و مراتب روحانی

مخدوم جہان نے اکثر و بیشتر مکتوبات میں اکثر آپ کو مولانا، امام، شیخ اور شیخ الاسلام کے لقب سے مخاطب کیا ہے، اور بارگاہ رسالت سے بھی آپ کو مولانا کا لقب عطا ہوا تھا، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"دین بیچارہ اول کرت در حرم خانہ کعبہ مصطفیٰ را صلی اللہ علیہ وسلم در خواب دید و رجحرہ کہ ہمہ نور گرفتہ

لہ مکتوبات مولانا مظفر بلخی ۵۸ جوابی مکتوبات مخدوم جہان رحمۃ اللہ ۵۵ مناقب الاصفیا ۱۵۵ مکتوبات د صدی امر صدی مطبوعہ ۱۳۰۶ھ
دیز مکتوبات بست و ہشت ۵۵ ماخوذ از مکتوبات ہشتاد و یک مخطوط مکتوب مذکور ناتمام ہے،

بود فرمود کہ مولانا! این حجرہ بشما میدہم بیائید و باشید و خوش خوابید۔ بودن این بیچارہ در خواب مکث
کرد بار دیگر ہم فرمود برین عبارت کہ ہنوز فرزندان را ہم بیار من و فاطمہ درین حجرہ بودایم بشما میدہم خوش
خوابید بودن اکنون چو از تب آن خواب قلابہ در دل آویختہ الخ“

تذکرہ نویسوں نے اجلۂ شیوخ طریقت، اعز اصحاب حقیقت، راسخ ترین سالکان صاحب اسرار کے
القاب یاد کیا ہے آپ کی ذات گرامی معقولات و منقولات کی جامع تھی، ابتداء میں معقولات کا زور تھا، بحث
و مناظرہ و مکالمہ میں معقولات ہی کے جوہر نمایاں تھے، کتاب و سنت کی بصیرت، اور منقولات کا تبحر، مکتوبات
صد و ہشتاد و یک مکتوبات[1] جوابی شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری یعنی مکتوبات بست و ہشت سے اور آپ کا
تفقہ سند حدیث اور اجازت نامہ سے ظاہر ہے جو آپ نے برادر زادہ فقیہ حسین معز شمس بلخی کو اپنے قلم سے لکھ کر
عطا کیا تھا اس کی نقل حسب ذیل ہے۔

سند حدیث و درس حدیث	اما بعد فقیر حقیر مظفر شمس خادم مسلمانان را سلام و دعا می رساند و باز می نماید فقیہ حسین معز برادر زادہ این فقیر است حق سبحانہ و تعالیٰ بفضائل بسیار

[1] مکتوبات مذکور قلمی ہیں، اور محب اعز مولانا حکیم شاہ تقی حسن بلخی سجادہ نشین خانقاہ فتوحہ کے مجموعہ نوادر سے ہیں، مکتوب الیہم
میں علماء و فضلاء اور قضاۃ، بعض مخلص مریدین، اور ایک دو شاہان ہند کے نام نامی معلوم ہوتے ہیں، مضامین بیشتر تصوف، فقہ،
حدیث، تفسیر، عقائد، اعمال و اذکار، اور عدل و انصاف کی تلقین سے متعلق ہیں، ان کے آخر میں سنہ کتابت ۱۱۰۸ھ اور
کاتب کا نام نامی بید الفقیر غلام یحییٰ تحریر ہے، اور غلام یحییٰ کی مہریں بھی ثبت ہیں، جا بجا کاتب کے حواشی بھی درج ہیں،
یہ وہی غلام یحییٰ بہاری ہیں جنھوں نے مخدوم جہاں کی مشہور کتاب آداب المریدین کے حواشی لکھے ہیں[2] مطبوعہ مطبع
نولکشور ۱۳۰۵ھ و مطبوعہ مطبع علوی محمد علی بخش خان نقشبندی ۱۲۸۶ھ پیش نظر ہیں، دیباچۂ کتاب میں مسطور ہے کہ چھبیس
سال تک مولانا اور مخدوم جہاں میں مراسلت و مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا، ان کی تعداد دو سو تھی، مگر مخدوم نے
مکتوب الیہ کو تاکید کر دی تھی کہ مکتوبات مرسلہ کسی کو نہ دکھانا، اس لئے مولانا نے وصیت کر دی تھی کہ شیخ کے مکتوبات

برادر گرامی دادہ فرزند صالح و متقی است در حدیث، قریب چہار سال در مکہ مبارک بود و قرأت قرآن
در شاطبی پیش شیخ شمس الدین خوارزمی و درون حرم کعبہ کردہ و قرأت سبعہ پیش شیخ شمس الدین الخوافی
در مقام ابراہیم پیش در کعبہ گذشتہ و شیخ شمس الدین مذکور در عصر خود یگانہ روزگار است در حلب و شام
و مصر و مدینہ مصطفیٰ و مکہ مبارک در علم قرأت وی را نظیرے نیست و جائے شیخ مجاور حرم است (الخ)
فرزند حسین مذکور سند حدیث برین فقیر کردہ، صحیح مسلم و صحیح بخاری من اولہ و آخرہ لفظاً و معنیً برین فقیر
تحقیق کردہ خدائے تعالیٰ وے را ذہن صافی و طبیعت فیاض دادہ است، و سند دیگر بر خطیب
عدن نیز کردہ است جہت این فقیر او در تدریس این علم مجاز است خدائے تعالیٰ او را نافع مسلمانان
گرداند و در دین ایشان و در دنیا ایشان آمین“
(حدیث) فقیہ حسن مذکور مرید بندگی شیخ الاسلام والمسلمین مخدوم شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری است
قدس سرہ العزیز از جہت این فقیر برائے توبہ دادن مسلمانان و بیعت کنانیدن و مقراض راندن مجاز است
تا معلوم عزیزان باشد عاقبت او ہمہ مسلمانان بخیر باد آمین“

اس سند[1] سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ مولانا کا مشغلہ محبوب درس و تدریس اور خاص طور پر صحیحین کا درس تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۶) میرے کفن میں رکھ کر دفن کر دیئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر ایک خریطہ میں شیخ کے مکتوبات بست
و ہشت رہ گئے تھے، یہ وہی مکتوبات ہیں، ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مخدوم کے آخری دور حیات سے متعلق
ہیں، چنانچہ مکتوبات بست و دوم و بست و ششم و بست و ہشتم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم کی نظر میں نور
بینائی میں قصور اور ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو چکا تھا، مکتوبات کے مضامین بیشتر احادیث و آیات قرآنی کے معانی و تفاسیر
سے متعلق اور توحید و موحد اور اسرار سلوک و سالک پر مشتمل ہیں اگر جوابات سے سوالات کا اندازہ ہو سکتا ہے تو ان مکتوبات سے مولانا کے
استفسارات کا پتہ چلتا ہے، آغاز مولانا امام مظفر سے ہوتا ہے، بعض مکتوبات میں شیخ الاسلام مظفر بھی مذکور ہے۔

[1] اس سند میں حدیث کا لفظ جو بار بار آیا ہے اس سے منشاء کلام متفرق ہے کیونکہ مکتوب مخدوم جہاں میں بھی (باقی ص ۲۱۸ پر)

مکتوبات دوصدی مطبوعہ ۱۳۲۸ھ جلد دوم کے مکتوب صدی سی و دوم در ارشاد و استظہار عزیزے کے زیر عنوان مخدوم جہان نے اپنے فرزند فخر الدین کو مخاطب کرتے ہوئے ہدایت کی ہے کہ

"کار آن فرزند بہ مولانا مظفر حوالہ کردہ شدہ است، ہرچہ از دے بشنو و چنان تصور کنید کہ از ین درویش شنیدہ کہ در جمیع امور دین مطیع او بود ہرچہ پیش آید در راہ سلوک رجوع بدو کنید و حل آن ازو طلبید"

اس ہدایت نامہ سے مولانا مظفر کے کمالات کا اندازہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ رسالہ وفات نامہ مرتبہ زین بدر عربی کی اس عبارت کہ

"مولانا شہاب الدین خدمت مولانا مظفر بلخی و مولانا نصیر الدین یاد و بایستند و عرض داشتند کہ حضرت مخدوم در باب مولانا مظفر و مولانا نصیر الدین چہ فرمان می شود بندگی مخدوم قدس سرہ العزیز با خوشی تمام بہ لفظ مبارک راندو تبسم کنان فرمود بشارت جمیع الحسان بجانب سینہ مبارک خود کہ مظفر جان من است و جان من است و مولانا نصیر الدین ہم چنین فرمود آنچہ خلافت و مقتدائے راہی باید در ایشان موجود است"

سے بھی مولانا کے روحانی مقامات ظاہر ہیں،

مخدوم قدس سرہٗ کے کلمات "تن شرف الدین جان مظفر، جان شرف الدین تن مظفر، مظفر شرف الدین شرف الدین مظفر" سے بھی آپ کا مرتبہ محبوبیت و مقبولیت ظاہر ہے،

(باقی)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۷) (۲) یہ لفظ اکثر موقع پر استعمال کیا گیا جس کا مخاطب کلام منصرف ہوتا ہے،

لہ مخدوم جہان کے وصایا اور وفات پر یہ رسالہ خادم خاص زین بدر عربی نے جمع کیا تھا آگرہ پریس سے ۱۳۲۱ھ میں چھپ ہو کر شائع ہوا تھا اور اب تک مقدم اول ہے کہ مناقب الاصفیاء،

تصوف اسلام

اسلامی تصوف کا عطر قدما صوفیہ کا لب و لباب اور انکی تصانیف پر تبصرہ (از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)
قیمت عہ مینجر

تلخیص و تبصرہ

امریکہ میں دعوت اسلام کے مواقع

حجاز سے عربی میں ایک سہ ماہی پرچہ "مجلۃ الحج" نکلتا ہے، محرم ۱۳۸۳ھ کے پرچہ میں ایک حجازی عالم احمد محمد جمال نے ایک مضمون مسلمو امریکا (امریکہ کے مسلمان) کے عنوان سے لکھا ہے، اس میں بعض ایسی امید افزا باتیں ہیں جو ان مسلمانوں کے لئے خصوصیت سے مفید ثابت ہوں گی جو اسلام کی ترقی اور اسلامی نظام کے قیام کی طرف سے مایوس ہو چکے ہیں، اس لئے اس کا خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے،

۱۹۴۷ء میں ایک امریکی نومسلم عبد الرحمن لوٹہ نے جو اس وقت انجمن "موتمر اسلامی" امریکہ کے سکریٹری ہیں مسترائے تھے اور زقازیق میں ایک تقریر کی تھی جس میں اپنے قبول اسلام کے وجوہ بیان کئے تھے اور خاص طور سے موجودہ مسلمانوں کی دینی و اخلاقی حالت پر اظہار افسوس کیا تھا،

عبد الرحمن لوٹہ نسلاً امریکی ہیں کئی سال پہلے ظہران (حجاز) میں امریکی تیل کمپنی میں انجنیر تھے، ان کی کمپنی میں بہت سے عرب مزدور اور دوسرے اہل کار کام کرتے تھے اس لئے ان کو عربوں سے ملنے جلنے اور ان کے عادات و اخلاق سے واقف ہونے کا بہت قریب سے موقع ملا اس کا ان پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ آہستہ آہستہ اسلام سے قریب ہونے لگے اور آخر میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے،

اسلام چونکہ ایک انقلابی اور تحریکی دین ہے اس لئے قبول اسلام کے بعد ان کی کایا ہی پلٹ گئی

ہر مجلس مین اسلام کا تذکرہ اور اس کی دعوت اور اسلامی معلومات کے حصول کی فکر ان کو دامنگیر ہو گئی، اسلام سے ان کا یہ شغف ان کے اعلیٰ امریکی افسرون کو پسند نہین آسکتا تھا، اس لیے پہلے انھون نے معمولی روک ٹوک کی پھر حکماً عربون کے ساتھ ملنے جلنے سے روکدیا، مگر انھون نے اس حکم کے ماننے سے انکار کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو اپنے عہدہ سے الگ ہونا پڑا،

اسلام کی راہ مین اس پہلی آزمایش کو انھون نے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا، اور دعوتِ اسلام کا ایک نیا جذبہ لیکر وہ طہران سے امریکہ آگئے، یہان آکر وہ کسی ایسی انجمن کی تلاش مین تھے جو اسلامی کہی جاسکے چنانچہ ایک ہندوستانی انجمن سے ان کا تعارف ہوا، مگر اس مین ان کے نقطۂ نظر سے کوئی حرکت عمل نہ تھی اور نہ اسلامی جذبہ ہی کا پتہ تھا اسلئے انھون نے خود ایک انجمن کی تشکیل کی جس کا نام "جمعیۃ الموتمر الاسلامی الامریکی" رکھا، اس کے دو مقصد تھے (۱) امریکی مسلمانون کو اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرنا اور اس سلسلہ مین ان کی امکانی مدد کرنا (۲) امریکہ کے غیر مسلم عوام مین دعوتِ اسلام کو فروغ دینا، یہ کام پہلے مختلف انجمنون اور پارٹیون مین تقریر کے ذریعہ شروع کیا گیا، اس راہ مین سب سے بڑی رکاوٹ وہ عیسائی مشنریان تھین جو یہان ہر مقام پر موجود ہین، مگر اس موتمر نے ان رکاوٹون کے باوجود اپنا کام جاری رکھا، مسٹر یوبر کے بیان سے یہ پتہ چلا کہ امریکہ مین مسلمانون کی تعداد تقریباً دس لاکھ ہے مگر ان مین بہت کم لوگ دین کے مقتضیات کو سمجھتے اور اس کو پورا کرتے ہین پھر بھی تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلمان ایسے موجود ہین جو دین کی نمایندگی کر سکتے ہین،

ان کا بیان ہو کہ امریکہ مین تقریباً ڈیڑھ کرور "غیر سفید" باشندے جن مین عربی، حبشی اور ٹیونسی وغیرہ ہین اور جنکو امریکہ کی نام نہاد جمہوری حکومت نے انسانی حقوق سے بھی محروم کر رکھا ہے اگر ان کے اندر اسلام کی دعوت پھیلائی جائے تو ان کے دائرۂ اسلام مین داخل ہونے کا قوی امکان ہے،

لہ عربون کی وہ اسلامی خصوصیات جنکی وجہ سے ایک دنیا کو انھون نے متاثر کیا تھا اس وقت تقریباً ناپید ہین،

یہ وہ معلومات ہین جو مسٹر یوبر کے ذریعہ حاصل ہوئے ہین، ان کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی امریکی مسلمانون کے بارے مین جو خبرین آتی رہتی ہین ان کا خلاصہ یہ ہے،

ابھی گذشتہ سال بعض امریکی اخبارون مین یہ خبر نکلی تھی کہ غیر سفید مسلمان باشندون مین ایک اچھی خاصی تعداد یعنی تقریباً پندرہ ہزار امریکیون کی ہے جنھون نے ٹیونس کی پوری حمایت کا اعلان کیا ہے اور شیخ "طرنویل" کی قیادت مین ایک جماعت کی تشکیل کی ہے اور اس سلسلہ مین انھون نے پہلا قدم یہ اٹھایا ہے کہ امیر عبدالکریم خطابی کو اس مقصد سے امریکہ بلا رہے تھے، کہ ٹیونس کے معاملہ کو اقوام متحدہ کے سامنے پیش کرین،

اس کے علاوہ شمالی نیویارک مین ایک اور مجلس "النادی الاسلامی" قائم ہے، ابھی حال ہی مین مصر کے مشہور اخبار المصری کے ایڈیٹر احمد ابو الفتح نیویارک گئے تھے، انھون نے اپنے سفر کے حالات اور مشاہدات اپنے اخبار مین شایع کیے ہین اس کا جو حصہ النادی الاسلامی سے متعلق ہے ہم اسے یہان نقل کرتے ہین،

شیخ احمد کا بیان ہے کہ مین اس جماعت کی ایک مجلس مین شریک ہوا، مجلس کی کارروائی کی ابتدا تلاوت قرآن پاک سے ہوئی، اس کے بعد ایک امریکی نے اسلام کے اصول و مبادی پر ایک نہایت فاضلانہ خطبہ دیا، مین نے بعد مین اس شخص کے بارے مین دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نسلاً امریکی ہین اور چند سال ہوئے انھون نے اسلام قبول کر لیا ہے اس وقت وہ بروکلن کالج مین پروفیسر ہین اور امریکہ مین اسلام کے ممتاز داعیون مین ہین، عارف ہندی علامہ اقبال کا یہ مصرعہ ان کے حسب حال ہے،

پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانون سے

اس مجلس مین بہت سی نومسلم امریکی خواتین بھی شریک تھین اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کے بدن پر مشرقی لباس اور چہرون پر نقاب پڑی ہوئی تھی،

استاذ ابو الفتح کا خیال ہو کہ سفید باشندون کے مقابلہ مین غیر سفید باشندے جلد اسلام کی

طرف مائل ہون گے، انھون نے جامع ازہر کے علما کو متوجہ کیا ہے کہ وہ وہان دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دین،

انھون نے لکھا ہے کہ مجھ سے اس مجلس کے صدر نے اس بات پر اپنے غصہ کا اظہار کیا کہ جامع ازہر کے لوگ دعوت و تبلیغ کے کام سے بالکل غافل ہین، اگر وہ اس کی کوشش کرتے اور اسلامی کتابون کو کرکے یہان بھیجتے تو اسلام کے پھیلنے کے یہان بہت امکانات ہین، ان کے آخری الفاظ یہ ہین

کان الاسلام لیس دینا تعبدیا — اسلئے کہ اسلام محض پوجا پاٹ کا مذہب نہین ہے

وحسب وانما هو دین تعبدی ونظام — بلکہ وہ عبادت کے ساتھ اپنا ایک شاندار

اجتماعی عظیم، — نظام اجتماعی بھی رکھتا ہے، "م ج"

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے عہد کی ایک جھلک

پروفیسر سری رام شرما کی تاریخ "The Crescent in India" آج کل کے تعلیمی ادارون مین نصاب مین داخل ہے، پروفیسر موصوف نے اس کتاب مین ہندوستان کے مسلمان حکمرانون پر جا بجا سخت دل آزار تنقیدین کی ہین، لیکن ان مسلمان حکمرانون کے عہد کے بعض حقائق ایسے بھی ہین جن کو وہ نظر انداز نہ کر سکے ہین اور ان کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ مسلمان فاتح بنکر ہندوستان مین آئے لیکن اس ملک مین انھون نے خاطر خواہ نظم ونسق قائم کیا، چنانچہ وہ رقمطراز ہین:-

سیاسی نظام کی اچھائی اور برائی کا انحصار غلبہ و اقتدار کی قوت پر نہین، بلکہ ملک کے اچھے نظم ونسق پر ہے، لیکن ملک کا نظم ونسق ہر زمانہ کے لئے یکسان نہین ہو سکتا، بلکہ زمانہ اور ماحول کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، اس لئے مغلون سے پہلے سلاطین دہلی نے جو نظم ونسق قائم کیا اس کو اسی زمانہ کے معیار کے مطابق پرکھنا چاہیئے، یہ سلاطین ہندوستان مین فاتح بنکر ضرور داخل ہوئے، لیکن مفتوحین سے ان کا میل جول جیسے جیسے بڑھتا گیا، ان دونون کے جنگجویانہ جذبات مٹ کر خوشگوار تعلقات پیدا ہوتے

گئے، معاشرتی اور ثقافتی امتزاج کے ساتھ سیاسی تعلقات کا بہتر ہونا ضروری تھا، اس لئے مسلمان حکمران سیاسی نظم ونسق کو جلد سے جلد بہتر بنانے کی کوشش مین لگے رہے، اور بلبن کے زمانہ سے بابر کے عہد تک ان فرمانرواؤن کی یہی کوشش رہی کہ حکومت کی سرحدون کی توسیع کے ساتھ ساتھ ملک کے عام نظم ونسق مین بھی ترقی ہوتی رہے، اور اس نظام کا اچھا یا برا ہونا سلاطین اور ان کے صوبے (اقطاع) کے گورنرون (مقطع یا اقطاع دار) کے ذاتی اوصاف و کردار پر بھی منحصر تھا،

ہندوستان کے ان فاتحون نے جو پہلا لائق، منتظم اور مدبر فرمانروا پیش کیا وہ غیاث الدین بلبن تھا، اس نے ناصر الدین محمود کے وزیر اعظم کی حیثیت سے بیس سال تک حکومت کی، پھر خود بیس برس تک تخت دہلی پر جلوہ افروز رہا، اس چالیس سال (۱۲۴۶-۸۶ء) کی مدت مین وہ پورے ہندوستان پر چھایا رہا، اس نے تین بڑے کام انجام دیئے، اپنی سلطنت کو تاتاریون کی غارت گری سے محفوظ رکھا، باغی گورنرون (اقطاع دار) کو پسپا کیا، اور ہندوون کو قابو مین رکھا، ان کامون کے علاوہ اس کے اور بھی کارنامے ہین، برنی کا بیان ہے کہ اس نے بادشاہت کی عظمت وشوکت کو اس طرح سے قائم رکھا کہ اس سے زیادہ برقرار رکھنا ممکن نہ تھا، بدایون کے ملک بق بق اور اودھ کے ہیبت خان جیسے جلیل القدر امرا کو جس طرح اس نے کوڑے لگوا کر ذلیل وخوار کیا وہ اس کی انصاف پسندی اور عدل پروری کی دلیل تھی، اور اس نے عدل و انصاف کی جو روایت قائم کی تھی بعد کے مسلمان سلاطین بھی اس کے پابند رہے، محمد تغلق نے اپنے بھتیجے کو جو سزا دی اور گجرات کے احمد شاہ نے اپنے داماد کو جو پھانسی دی وہ بہت سی مثالون مین سے ایک دو مثالین ہین، ان مثالون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قانون کے سامنے سب چھوٹے بڑے برابر تھے، اور گو بعض سزائین وحشیانہ تھین، لیکن وہ بھی بہر حال قابل تعریف ہین، محمد تغلق کو معلوم ہوا کہ شہزادہ مسعود کی ماں کی عصمت محفوظ نہین رہی تو اس نے اسلام کے قانون کے مطابق اس کو سنگسار کرا دیا، گشتاسپ کی بے وفائی اور غداری پر اس کو جو سزا دی، وہ بڑی ہی عبرت ناک ہے، فیروز شاہ نے

بعض سزاؤں کو ہلکا کرکے انصاف میں رحم کی آمیزش کی، اس سے عدل و انصاف کے نظام میں ایک
خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی، اور گو فیروز شاہ قدامت پسند حکمران تھا، پھر بھی اسی کی وجہ سے اس کے
عہد میں یہ تبدیلی ہوئی،

بلبن کے بعد علاء الدین خلجی پر نظر پڑتی ہے، اس نے ملک کے نظم و نسق میں طرح طرح کے تجربے کئے،
جن کو یہاں دہرانا ممکن نہیں ہے، اس نے اپنی حکومت کو سیکولر (غیر مذہبی) بنانے کی کوشش کی، اور فوجیوں
کو جاگیر دینے کے بجائے نقد رقم دینے کا رواج جاری کیا، فوجوں کے لئے باضابطہ رجسٹر اور ان کی حاضری
اور غیر حاضری کے اندراج کا طریقہ جاری کیا، فوجی گھوڑوں کی شناخت کے لئے ان کو داغ دینے کا قانون
بنایا، بازاروں کے نرخ پر پابندی عائد کی، اور اس کے لئے محتسب مقرر ہوگئے، شراب اور دوسری نشیلی
کی خرید و فروخت بالکل بند کرادی، ان تمام امور میں اس کی نیت کچھ بھی رہی ہو، لیکن ان سے ملک کے
نظم و نسق میں خاطر خواہ ترقی ہوئی،

غیاث الدین تغلق نے کوئی نئی بات تو نہیں کی، لیکن اس کے مختصر عہد حکومت میں امن و خوشحالی
رہی، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حکومت کے تمام شعبوں کو خراب عناصر سے پاک کر دیا، وہ
پہلا مسلمان حکمران ہے جس کی یہی اندرونی خواہش رہی کہ عوام خوشحال رہیں، اس نے نہ خود کوئی ایسا
کام کیا، اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دیا جس سے ملک کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو یا ملک کو کوئی نقصان
پہنچا ہو، سرکاری مالگذاری کی تحصیل میں اس کا رویہ اعتدال و انصاف پر مبنی تھا، اس نے ڈاک کا انتظام
از سر نو قائم کیا، پولیس اور عدالت کا انتظام اتنا بہتر اور مکمل تھا کہ کوئی بھیڑیا کسی بھیڑ کے بچہ پر حملہ کرنے کی جرأت
نہیں کر سکتا تھا، اگر اس کا جانشین اس کے لڑکے محمد کے بجائے اس کا بھتیجا فیروز ہوتا تو ملک بہت سی خطرناک
غلطیوں اور بدنظمیوں سے محفوظ رہتا، گو محمد ایک منچلا فرمانروا تھا، پھر بھی اس نے حکومت میں بہت سی اصلاحیں
کیں، وہ اپنے سنک کی پالیسی اور دارالحکومت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلنے کی کوشش میں ناکام ضرور رہا، تاہم

ملک کے نظم و نسق میں اس کی خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا، اس نے دہلی سے دیوگیری تک سات سو میل
کی ایک شاہراہ بنادی، جس میں راہگیروں کے لئے ہر قسم کی سہولت اور راحت مہیا کی گئی تھی، جس کو نظم
و نسق کا غیر معمولی کارنامہ کہا جا سکتا ہے، جب قحط پڑا تو اس نے قحط زدہ علاقوں کو مصائب سے جس طرح بچایا
ہے اس سے اس کی نیت کے اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے، سورگدواری میں اس نے ایک بڑا کیمپ قائم کیا، جہاں سے
بڑی فیاضی سے امداد پہنچائی، پھر زمینوں کے بندوبست کے لئے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا، اور زراعت کی ترقی
کے لئے بھی فیاضی سے کام لیا، ان تمام باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمان سلاطین کی نیت کس طرح بدلتی جارہی تھی،
اور وہ محمود غزنوی کی طرح اس ملک کو صرف لوٹنے کھسوٹنے کی سرزمین نہیں تصور کرتے تھے، محمد تغلق نے کبھی لوٹ
کھسوٹ کی کوشش نہیں کی اور نہ اس نے کفر کو مٹانے کا تہیہ کیا، بلکہ اپنے نقطہ نظر سے ایک بہتر اور مثالی
نظم کی ریاست قائم کرنے کی دھن میں لگا رہا، اگرچہ اس کو اپنی بے صبری اور بد احتیاطی کی وجہ سے اس میں یہ
کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن اس ناکامی کے المناک پہلو کے باوجود وہ علاء الدین خلجی کی طرح ملاؤں کے نظر
حکومت کے خلاف جنگ کرتا رہا، اور ملک کے نظم و نسق میں وسیع المشرب ہونے کا ثبوت دیا، اس نے ستی کی رسم کو روک دیا،
غرباء کی امداد کے لئے پوری سہولت پہنچائی، اسکول اور اسپتال قائم کئے، صنعت و حرفت کی سرپرستی کی، اور ان
کاموں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے نظم و نسق میں روشن خیالی پیدا کرنے کی کوشش کی، اور جو پالیسی علاء الدین نے
شروع کی تھی، غیاث الدین تغلق نے اس کو برقرار رکھا اور محمد تغلق نے آگے بڑھایا اور وہ فیروز شاہ تغلق اور سکندر
لودی کے زمانہ میں منتہائے عروج پر پہنچ گئی تھی،

فیروز شاہ تغلق اور سکندر لودی مذہبی حیثیت سے تنگ نظر ضرور تھے لیکن ان کی مذہبی تنگ نظری ملک کے
نظم و نسق کو سیکولر (غیر مذہبی) برقرار رکھنے میں حائل نہیں ہوئی، فیروز نے سزاؤں کی متشددانہ صورتوں کو ختم
کرادیا، بے روزگاری دور کر دی، مسلمانوں پر مختلف ٹیکسوں کے بار ہلکے کر دیئے، نہروں کا بڑا اچھا انتظام کیا،
اور ملک کی خوشحالی خاطر خواہ طریقہ پر بڑھا دی، یہاں تک کہ ضروریات زندگی کی تمام چیزیں نہ صرف دار السلطنت

بلکہ پورے ملک مین فراوانی کے ساتھ میسر ہو جاتی تھین، ایسے قوانین بنائے جس سے رعایا مطمئن اور آسودہ حال ہوتی گئی، ان کے گھر غلہ کے انبار، مال و اسباب، گھوڑون اور فرنیچر سے بھر گئے، ہر ایک کے پاس سونے اور چاندی وافر مقدار مین رہتی تھی، ہر عورت کے پاس زیور ہوتا تھا، اور ہر گھر مین اچھے سے اچھے پلنگ اور بستر ہوتے تھے، غرض دولت کی فراوانی اور راحت و آسایش کے سامان ہر شخص کو میسر تھے، سلطنت دہلی کے جلیل القدر سلاطین مین آخری نام سکندر لودی کا ہے، اس نے ملک کے نظم و نسق کو زیادہ سے زیادہ مرکز کے ماتحت کر دیا، اپنے فرامین ملک کے زیادہ حصے مین تشہیر کراتا تھا، سرکاری آمدنی و خرچ مین بڑی سختی سے احتساب کرتا تھا، تاجرون اور کسانون کے مفاد کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا تھا، غربا کو ہر وقت امداد پہنچاتا، خوشی اور تہوار کے دن قیدیون کو چھوڑتا تھا، سلطنت کے روزمرہ واقعات سے باخبر رہتا، اس کے زمانہ مین کوئی شخص اپنی جاگیر سے بے جا طریقہ پر محروم نہین ہوا، اور دیرینہ رسم و رواج کو بھی ترک نہین ہونے دیا گیا، ملک کی یہ عام خوشحالی بابر کے حملہ تک قائم رہی، اگرچہ سکندر لودی کے جانشین ابراہیم کے عہد مین بڑا سیاسی انتشار رہا، پھر بھی تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ

"سلطان ابراہیم لودی کے زمانے کی غیر معمولی چیز یہ ہے کہ اس کے عہد مین غلہ، کپڑا اور بازار کی ہر چیز اتنی سستی تھی کہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے سوا اس کی مثال نہین ملتی، دس من اناج ایک بہلولی مین مل جاتا تھا اور اتنی ہی رقم مین پانچ سیر صاف گھی اور دس گز کپڑا خریدا جا سکتا تھا، ہر چیز کی بہتات تھی، اسکی ایک وجہ یہ بھی کہ عام طور سے بارش ٹھیک ضرورت کے مطابق ہوتی تھی جس سے فصل بہت اچھی ہوتی تھی اور غلہ کی پیداوار دس گنی زیادہ بڑھ گئی تھی، ایک معزز آدمی کی تنخواہ پانچ تنکے ماہوار ہوتی تھی اور سوار ۲۰ سے لیکر ۳۰ تنکے تک ماہوار تنخواہ پاتا تھا اگر کوئی مسافر دہلی سے آگرہ جاتا تو خود کھاتا اور اپنے گھوڑے کو کھلاتا پلاتا، ایک بہلولی مین منزل مقصود تک پہنچ جاتا"

ممکن ہے کہ مذکورہ بالا بیان مین کچھ مبالغہ ہو کیونکہ تاریخ داؤدی ایک افغان کی تصنیف ہے اور اس نے افغانون کے دور ماضی کے ذکر کرنے مین کچھ غلو سے کام لیا ہو، پھر بھی اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ بلبن کے عہد مین جو نظم و نسق قائم ہوا اس مین اتنی ترقیان ہوئی تھین کہ خلجیون، تغلقون اور لودیون کے دور مین ملک اور ملک کے عوام دونون مین خاطر خواہ خوشحالی رہی۔

(ص ع)

ادبیات

شوق کی کارگذاریان

از

سروش عسکری طباطبائی

دل اپنا رو کش خونِ شہیدان کر دیا ہم نے
بیابان کو گلستان در گلستان کر دیا ہم نے

اجل سے زیست کو دست و گریبان کر دیا ہم نے
سفینے کو حریفِ موجِ طوفان کر دیا ہم نے

مٹا کر جان اپنی عشق کو جان کر دیا ہم نے
یہ دردِ بے امان تھا جس کو درمان کر دیا ہم نے

جزا دو یا سزا، کار نمایان کر دیا ہم نے
تمھارے ذوقِ خود بینی کو عریان کر دیا ہم نے

شمیم ناز تھے تم غنچہ نا آفریدہ کی
تمھین پیغمبرِ صبحِ بہاران کر دیا ہم نے

بنایا خونِ دل کو شوخیِ رنگِ ترِ عارض
نظر کو طرۂ گیسوے تابان کر دیا ہم نے

تمھین نے آئینہ ہم کو بنایا اپنے جلوون کا
تمھین کو آئینہ دکھلا کے حیران کر دیا ہم نے

ضیاے عشرتِ صبحِ چمن تھے تم، قیامت کی
کہ تم کو مونسِ شامِ غریبان کر دیا ہم نے

رگِ ابرِ بہارِ عیش ہونا ننگِ گیسو تھا
انیسِ گریۂ شبہاے ہجران کر دیا ہم نے

نگاہِ نازکی سفاکیان بدنام کر دیتین
دعائین دو کہ نشتر کو رگِ جان کر دیا ہم نے

بھرین اک لغزشِ مستانہ مین رنگینیان اتنی
فرشتون کو حریصِ ذوقِ عصیان کر دیا ہم نے

جو تم آسودہ و ناآشناے لذتِ غم تھین
انھین ڈوبی ہوئی موجون کو طوفان کر دیا ہم نے

جہان انوارِ علم و آگہی سر در گریبان تھے — لہو کی چند چھینٹون سے چراغان کر دیا ہم نے

بجھا دی خنجرون کی تشنگی خونِ رگِ دل سے — وفاؤن سے جفاؤن کو پشیمان کر دیا ہم نے

سوادِ جہل، ظلماتِ ستم، شامِ سیہ بختی — جہان بھی تیرگی دیکھی چراغان کر دیا ہم نے

مزاجِ دہر بدلا، جبر کی فطرت بدل ڈالی — ہواؤن کو چراغون کا نگہبان کر دیا ہم نے

طلب کو فیض بخشا، فیض کو دریا دلی بخشی — تہی دستون کو رشکِ ابرِ نیسان کر دیا ہم نے

سعادت کو قناعت دی، قناعت کو کرامت دی — فقیرون کو نگین بخشِ سلیمان کر دیا ہم نے

پئے تجدید رسمِ انتقام اے عشق فرمودہ — گریبان اپنا پھر، یوسف کا دامان کر دیا ہم نے

رواج و رسم و رنگ و نسل و قوم و مذہب و ملت — ہر اک شیرازہ بندی کو پریشان کر دیا ہم نے

سرِ دشت اس شدتِ حسنِ طلب کی انتہا کی ہے — گلون کو چاک دامانی پہ نازان کر دیا ہم نے

"بادۂ صبحگاہی"

از جناب نشتر سندیلوی

افسانہ میرا دہرا، اے بادِ صبحگاہی! — کلیون نے آنکھ کھولی پھولون نے لی جماہی

پیدا نظر کر ایسی، جو لامکان پہ ٹھہرے — حدِ نظر کو دیکھون، یہ میری کم نگاہی

ہر چند سخت تر ہین، کڑیان وہ وفا کی — منزل یہی کہین ہے دیتا ہے دل گواہی

بنتا ہے برقِ ایمن، پھر ذرہ ذرہ دل کا — کر دور پہلے غافل! اس قلب کی سیاہی

رنگِ جفا پہ کھایا، حسنِ وفا کا دھوکا — کانٹون کو پھول سمجھا یہ میری خوش نگاہی

بے حاصلی ہے میری، دونون جہان کا حاصل — آزردۂ ادا ہر، شرمندۂ مناہی

دھارے پہ اس جہان کے گذرے ہین کتنے طوفان

کشتی پہ میری نشتر! ہستی ہے کیا تباہی"

غزل

از جناب ظفر ادیبی مبارکپوری

سوزِ وفا سے ربطِ دل ہے تہی ابھی — محرومِ آگہی ہے تری بندگی ابھی

ہوتی کہان ہے ظلمتِ شب مین کمی ابھی — تارون کی انجمن مین ہے بیگانگی ابھی

افزون کچھ اور ہوگی یہ آشفتگی ابھی — ہے زلفِ روزگار مین اک برہمی ابھی

ہم اہتمامِ جشنِ بہاران کرین تو کیا؟ — محرومِ رنگ و بو ہے ہر اک کلی ابھی

دنیا یہ سازشون سے ابھی مطمئن نہین — ہے کوئی زیرِ پردہ یہان سامری ابھی

رندانِ بزمِ نو کے ارادون کی کیا خبر — اک گونہ بے خودی مین ہے سنجیدگی ابھی

کرلین گے ہم یہ معرکۂ زندگی بھی طے — ہر عزمِ نوجوان مین ہے بالیدگی ابھی

کیا کیا ظفر چلی ہین زمانے مین آندھیان — لیکن بجھی نہ شمعِ رہِ راستی ابھی

غزل

از جناب سید ابوالحسن وفا سیتاپوری

یہ کیسی چمن مین بادِ بہاری ساتھ نئی رت لائی ہے — ہر غنچہ و گل ہے پژمردہ، ہر شاخِ چمن مرجھائی ہے

سنتا ہون لٹے گلزارون مین پھر آنے بہارین آئی ہین — پھر رنگ نے کروٹ بدلی ہے پھر دور مین وحشت آئی ہے

کلیون مین وہ پیارا روپ نہین پھولون کے رخون پر جوبن نہین — کیا جانے کیسی نیرنگی ہر شے پہ مسلسل چھائی ہے

کیونکر نہ چھلک جائے ساغر ارمان بھرے اس دل کا مگر — رو دی ہین گھٹائین بھی اکثر جب صبحِ وطن یاد آئی ہے

زنجیرِ محبت ٹوٹ گئی اور رسمِ مروت چھوٹ گئی — کچھ ایسی فلک نے عالم مین اک آتشِ نو بھڑکائی ہے

کہتی ہے سسکتی روحِ چمن اے نیند کے ماتے جاگ ذرا — کیا تو نے ہمیشہ دنیا مین سونے کی قسم ہی کھائی ہے

وہ دیکھ نظامِ عالم مین اک شعلۂ نو بھڑکا ہر دفا — ظلمت کی گھٹا کے دامن مین پھر برقِ تپان لہرائی ہے

باب التقریظ والانتقاد

حکیم الامت :- از جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی تقطیع بڑی ضخامت ۴۹۶ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ (۱) دار المصنفین اعظم گڈھ (۲) صدق بک ایجنسی کچہری روڈ لکھنؤ،

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات جملہ ظاہری و باطنی علوم و معارف کی جامع تھی، وہ مفسر و محدث بھی تھے فقیہ و متکلم بھی، واعظ و خطیب بھی تھے، عارف باللہ شیخ طریقت بھی، اور انھوں نے جملہ دینی علوم کی بڑی خدمت انجام دی مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ تصوف کی اصلاح، تعلیم و ارشاد اور مریدین و مسترشدین کی اصلاح و تربیت ہے اور اس راہ میں جس قدر فیض ان کی ذات سے پہنچا اس کی مثال اس دور میں نہیں مل سکتی، انھوں نے تصوف کو بیرونی آمیزش سے پاک و صاف کر کے ایسا نکھار دیا کہ طریقت عین شریعت نظر آنے لگی اور اردو میں اس کے متعلق معلومات کا ایسا پاکیزہ ذخیرہ فراہم کر دیا جو عربی اور فارسی میں بھی نہیں مل سکتا،

ان کے مسترشدین کا دائرہ بہت وسیع ہے جن میں مولانا عبد الماجد صاحب جیسے بزرگ بھی ہیں ان کا مشغلہ خالص علمی و دینی، اور مذہب و ملت کی خدمت رہا ہے، وہ مذہب کے مبلغ و متکلم بھی ہیں اور راہ سلوک کے سالک بھی، کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور اخبار کے ایڈیٹر بھی، کلام مجید کے مترجم بھی ہیں اور اس کے مفسر بھی، اس لئے اصلاح و تربیت کے معاملات کے علاوہ علمی و دینی مشکلات و مسائل میں بھی وہ شیخ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس سلسلہ میں برابر مراسلت جاری رہتی تھی اب انھوں نے

ان مراسلات کی روشنی میں جو پندرہ سالہ افادہ و استفادہ اور ذاتی تعلقات و مراسم کی روداد پر مشتمل ہیں، حکیم الامت کی نام سے شیخ کے کمالات اور ان کے اخلاق و سیرت کا یہ مرقع تیار کیا ہے جس میں ان کے کمالات کا ہر رخ نمایاں ہے، اور مرتب کے ذاتی احوال و کوائف، عام انسانی معاملات سے علمی و دینی مسائل، فقہی و تفسیری مباحث، تصوف و سلوک کے معارف و حقائق، اصلاح و تربیت کے معاملات اور اخلاق و حکمت کے نکات وغیرہ سے متعلق بیش قیمت معلومات کا ذخیرہ اور ان سب میں ہدایت و رہنمائی کا پورا سامان موجود ہے اور اس آئینہ میں حکیم الامت کے مرقع کمال کے ساتھ خود مرتب کے کمالات کی تصویر بھی نظر آجاتی ہے،

حضرت حکیم الامت کی علمی و دینی اور اخلاقی و روحانی عظمت و جلالت مسلّم اور کسی کے اعتراف و داد و تحسین سے بے نیاز ہے لیکن اگر قلم سے اس کی مصوری ممکن ہے تو اس سے بہتر مرقع تیار نہیں کیا جا سکتا، اور ہونا بھی یہی چاہئے، حکیم الامت جیسے شیخ کے کمالات کی مصوری اور مولانا عبد الماجد صاحب جیسے عقیدت مند اور نکتہ سنج ادیب کے قلم سے

ع ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

نور علیٰ نور کی مصداق ہے اور اس میں حضرت مولانا کے خلق کی تصویر عام شہرت سے بہت مختلف نظر آتی ہے، ادبی لطافت، دلآویزی مولانا کی تحریروں کا عام وصف ہے مگر یہ وصف اس کتاب میں بدرجۂ کمال نمایاں ہے حسن ادب کے ساتھ ادب شناسی کے ایسے نمونے اب اردو میں نایید ہیں، اس لئے کہ اس زمانہ کے ادیب ادب شناس نہیں اور جو ادب شناس ہیں وہ ادیب نہیں، اور

حیف یاراں این دارد و آں نیز ہم

اس لئے یہ کتاب ادبی حیثیت سے بھی شاہکار ہے،

فاضل مرتب نے حضرت مولانا کی تحریروں سے ان کی خشک مزاجی اور خشونت کی تردید اور

نرمی و خوش مزاجی اور لطف و لطافتِ طبع کے ثبوت کا خاص اہتمام رکھا ہے، اس مین شبہہ نہین کہ اس سے زیادہ عقلی استدلال اور کیا ہو سکتا ہے، مگر یہ فیصلہ مشکل ہے کہ یہ لطف و مرحمت حضرت مولانا کا طبعی وصف تھا یا کاتب خطوط کی ادب شناسی کا لازمی نتیجہ جس کا جواب ایک شایستہ انسان کی جانب سے اس شکل کے سوا دوسری صورت مین ہو ہی نہین سکتا تھا، تاہم اس سے اتنا اندازہ تو بہر حال ہو جاتا ہے کہ حضرت مولانا کا طرزِ عمل مخاطب اور سائل کی عقل و دانش اور تہذیب و شایستگی کا عکس ہوتا تھا، جس طرز کا سوال اور خطاب ہوتا تھا، اسی طرز کا جواب ملتا تھا،

اس مختصر ریویو مین اس کتاب کی تمام خصوصیات کی تفصیل دشوار ہے، مختصراً اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ کتاب نہ صرف علمی، دینی اور روحانی معلومات و فوائد کا گنجینہ ہے بلکہ اس مین بہت سے دنیاوی اور معاشرتی امور و مسائل مین بھی ہدایت و رہنمائی کا بہت کچھ سامان موجود ہے، اس لئے جس ذوق کا شخص بھی اس کا مطالعہ کریگا اس کے فیض سے محروم نہ رہے گا، اور اس کے مذاق و استعداد کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ اس کو مل کر رہے گا،

ممکن ہے عقیدت و محبت کے بعض مظاہر ظاہر بینون کی نگاہ مین کھٹکین مگر ایسے معاملات مین اختلافِ مذاق ناگزیر ہے،

ع وللناس فیما یعشقون مذاہب

پھر بھی ایسے نازک مراحل مین بھی مصنف کا قلم بڑی حد تک جادۂ اعتدال پر قائم رہا ہے،

تاریخ فاطمیین مصر ــ مؤلفہ ڈاکٹر زاہد علی سابق پروفیسر عربی و پرنسپل نظام کالج، تقطیع بڑی، ضخامت ۰۰۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہین، پتہ: ـ مطبع عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن،

مصر کی فاطمی خلافت کو اس کے علمی و تمدنی کارنامون اور اسمٰعیلی فرقہ کی مذہبی پیشوائی کی حیثیت سے

اسلامی تاریخ مین ایک خاص شہرت و اہمیت حاصل ہے، اگرچہ عربی کی عام تاریخون مین اس کے اجمالی اور مصر و مغرب کی تاریخون مین کسی قدر تفصیلی حالات ملتے ہین، مگر فاطمیہ مصر کی کوئی ایسی مستقل تاریخ موجود نہین ہے جس مین اس کی سیاسی و تمدنی تاریخ کے ساتھ ان کے عقاید اور مذہبی و تبلیغی نظام کی تفصیل بھی ہو، اور کتب فرق کے مختصر و مجمل بیانات کے علاوہ ان کے تفصیلی عقائد عام طور سے کم معلوم ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فرقہ کے بہت سے عقائد اسلام کے صریح خلاف ہین، جن کے اظہار مین عام مسلمانون کی مخالفت کا خطرہ تھا، اور اس سے ان کے حریف بنی عباس وغیرہ فائدہ اٹھا سکتے تھے، اس لئے انھون نے اپنے عقائد ہمیشہ مخفی رکھے بلکہ اس مذہب کی بنیاد ہی باطنیت اور اخفاء پر ہے، اور ایک عرصہ تک ان کی کتابین بھی عام لوگون کی دسترس سے باہر رہین، اس لئے ان کے بہت سے عقائد عرصۂ دراز تک مخفی رہے، غالباً سب سے پہلے آٹھوین صدی کے ایک یمنی عالم محمد بن حسن الدیلمی نے خود باطنیون کی مستند و معتبر کتابون سے "قواعد عقائد آل محمد" کے نام سے ان کے عقائد اور ان کی تردید پر ایک مستقل کتاب لکھی جو اب چھپ کر شائع ہو گئی ہے، اور اردو مین سب سے پہلے مولوی عبد الرزاق صاحب نے اپنی کتاب "نظام الملک" مین ضمناً ان کے عقائد اور مذہبی نظام پر روشنی ڈالی ہے اور مولوی عبد الحلیم شرر کی "فردوس برین" مین افسانوی رنگ مین کچھ واقعات ملتے ہین، اس کے علاوہ اردو مین اس موضوع پر کوئی مستقل اور مستند کتاب نہین ہے، یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ کام اسی فرقہ کے ایک فاضل ڈاکٹر زاہد علی کے ہاتھون انجام پایا اور انھون نے فاطمیہ مصر کی تاریخ پر اردو مین مذکورۂ بالا مستقل اور محققانہ کتاب لکھی جس مین ان کی سیاسی تاریخ اور علمی و تمدنی کارنامون کے ساتھ ان کے عقائد اور مذہبی و تبلیغی نظام پر بھی مفصل اور محققانہ روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ اور چھبیس فصلون پر مشتمل ہے، مقدمہ مین فاطمیہ مصر کی سیاسی اور علمی و تمدنی اہمیت، ان کی شوکت و عظمت، اور دولت و ثروت پر اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے، اور ان کی مفصل تنقیدی تاریخ کی ضرورت اور عربی مین اس کے ماخذون پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے، باقی فصلون مین علوی اور فاطمی دعوت کی ابتدا یعنی بنی امیہ کے

دور سے لیکر فاطمیہ مصر کے خاتمہ اور یمن اور ہندوستان میں ان کی دعوت تک، اس دعوت کی پوری تاریخ
ان کی اور بنی امیہ اور بنی عباس کی کشمکش اس کے نتائج مشرق میں اس دعوت کی ناکامی اور مغرب میں
کامیابی اور رستمی اور فاطمی حکومتوں کے قیام اور ان کے خاتمہ کی مفصل سرگذشت تحریر کی گئی ہے، فاطمی
خلفاء کے حالات الگ الگ فصلوں میں ہیں، ان میں سیاسی حالات کے ساتھ مختصر علمی و تمدنی حالات بھی
لکھ دیئے گئے ہیں، پھر سیاسی تاریخ کے بعد پورے فاطمی دور کے علمی و تمدنی کارناموں، ان کی سیاست
اور نظام حکومت پر مفصل تبصرہ ہے، اور اہم شیعی فرقوں کے حالات، امامت کے بارہ میں ان کے اختلافات
اسمٰعیلیوں کے مفصل عقاید، ان کی باطنیت اس میں فلسفیانہ خیالات کی آمیزش، اسلامی عقائد سے ان کے
بعد اور ان کے مذہبی و تبلیغی نظام وغیرہ جملہ مذہبی امور و مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے جس سے اس کا اندازہ
ہو جاتا ہے کہ اسمٰعیلی دعوت کی ابتدا جس شکل میں بھی ہوئی ہو، مگر بعد میں اس کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں
رہ گیا تھا اور باطنیت جو اس مذہب کی بنیاد ہے نام ہے شریعت کے تعطل اور اعمال کے سقوط کا
اگرچہ موجودہ اسمٰعیلی اس کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کی تاویل کرتے ہیں مگر اسی فرقہ کے ایک فاضل کی اس
تالیف کے بعد جنھوں نے خود اسمٰعیلیوں کی معتبر اور مستند کتابوں سے یہ عقاید تحریر کئے ہیں ان کے انکار
کی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی، اس لئے یہ کتاب علمی و تحقیقی حیثیت سے اصحاب علم و نظر کے مطالعہ کے لایق ہے
اردو میں کیا عربی میں بھی فاطمیوں کے حالات میں ایسی مبسوط اور محققانہ کتاب نہیں ہے اور اس سے اردو
کے ذخیرۂ تاریخ میں ایک اہم اور مفید کتاب کا اضافہ ہوا،

میرا مذہب :- از جناب چودھری محمد علی صاحب ردولوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰ صفحات
کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت تحریر نہیں پتہ مصنف ردولی ضلع بارہ بنکی سے ملے گی،

اردو کے مشہور مصنف اور صاحب طرز ادیب چودھری محمد علی صاحب محض ادیب و انشا
نگار ہی نہیں ہیں بلکہ ان کو اسلام کی مذہبی تاریخ سے بھی ذوق ہے اور اس کا انھوں نے اچھا خاصہ مطالعہ

کیا ہے ان کا مذہب اگرچہ شیعہ ہے مگر انھوں نے شیعہ سنیوں کے اختلافی مسائل میں بڑی حد تک آزادانہ
غور و فکر کیا ہے اور وہ اس بارہ میں اپنا ایک مستقل مسلک رکھتے ہیں جو شیعہ و سنی دونوں سے مختلف ہے اسی کو
انھوں نے اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کتاب کی تالیف کا ایک مقصد شیعہ سنی
اختلافات کو کم کرنا بھی ہے چنانچہ خلفائے راشدین اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارہ میں ان کا مسلک بڑی
حد تک معتدل اور عام شیعوں سے مختلف ہے اسی طریقہ سے وہ عصمت ائمہ اور اصطلاحی تبرا کے بھی قائل
نہیں ہیں چودھری صاحب کے حسن نیت میں شبہہ نہیں انھوں نے حتی الامکان اختلافی مسائل میں آزادانہ
رائے قایم کرنے کی کوشش کی ہے اگرچہ وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے ہیں اس کا ایک
سبب تو غالباً شیعی تربیت کا اثر ہے جس سے وہ پوری طرح دامن نہیں بچا سکے اور جس کا اعتراف انھوں
نے خود بھی کیا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ انھوں نے واقعات کی تحقیق میں اصلی ماخذوں کے بجائے زیادہ تر
ثانوی کتابوں سے حصول معلومات پر اکتفا کیا ہے جو صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتے کسی مسئلہ کی تحقیق و تنقید کے لئے
اس کے اصلی ماخذوں سے واقفیت اور اس میں وسعت و دقت نظر ضروری ہے جو عربی سے ناواقفیت
کی بنا پر مصنف کو حاصل نہیں ہے، اس لئے ان سے جا بجا غلطیاں ہو گئی ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے احترام
کے باوجود انھوں نے ان کے، امام بخاری، ان کی صحیح، ابن خلدون، امام ابو یوسف، مولانا روم اور
مولانا شبلی وغیرہ کے بارہ میں جو تنقیدیں کی ہیں وہ صحت سے بہت دور ہیں اس تبصرہ میں اس سب کی
تفصیل کی گنجایش نہیں ہے، نمونۃً چند غلطیاں لکھی جاتی ہیں، مثلاً مصنف کا یہ خیال کہ "اہل سنت کی
حدیث کی کتابوں میں حضرت علی کی روایتیں اور اہل بیت کے فضائل بہت کم ہیں" صحیح نہیں ہے سنیوں
کی کتابوں میں حضرت علیؓ کی مرویات چاروں خلفاء سے زیادہ ہیں، یہ اور بات ہے کہ خلفاء کی روایات
اور دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں کم ہیں، اسی طریقہ سے اہل بیت کے فضائل تمام کتابوں میں موجود
ہیں بلکہ حضرت علی کے فضائل سب سے زیادہ ہیں، البتہ وہ اہل بیت کی کتاب المناقب نہیں ہیں، اور اسلامی

احکام و تعلیمات کی کتابون کو کتاب المناقب ہونا بھی نہ چاہیئے، یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ سنیون کی کتابون
کی رو سے حضرت عمرؓ کی ہر رائے کی تائید وحی الٰہی سے ہوتی تھی، اس کا صرف ایک واقعہ یعنی عبد اللہ بن
ابی منافق کی نماز جنازہ کی ممانعت کا واقعہ ہے جو خود قرآن مجید مین مذکور ہے، باقی جماعت کے لئے اذان
کا طریقہ حضرت عمرؓ کی ایک رائے تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا، اس کو وحی کی تائید سے کیا
علاقہ، اس قسم کے حضرت علیؓ کے واقعات بھی حدیثون مین مل جائین گے، بلکہ شیعون کی حدیثون کی رو سے
تو سارا قرآن مجید نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ تمام ائمہ کی ثنا و صفت اور ان کے خدائی صفات و اختیارات
کا صحیفہ ہے، چودھری صاحب نے اس شعر

من ز قرآن مغز را برداشتم | استخوان پیش سگان انداختم

کو مولانا روم کی جانب منسوب کرکے اس کے مضمون پر اعتراض کیا ہے، حالانکہ یہ شعر مولانا کا نہیں ہے اور
مثنوی کے کسی نسخہ مین نہین مل سکتا، اصلی ماخذ کے بجائے شہرت عام پر اعتماد کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ اس قسم کی غلطیان
اور بھی ہین مگر اس مختصر ریویو مین ان سب کی تفصیل کی گنجائش نہین، اگر چودھری صاحب اس کتاب کو
محض مذہبی اعتقادی بحث تک محدود رکھتے تو زیادہ مفید ہوتا، مگر انھون نے اس مین شاخ در شاخ
غیر متعلق بحثین چھیڑ دی ہین اور اصول کے بجائے فروعات مین الجھ گئے ہین جس سے ان کے خیالات اور
کتاب کے مضامین و مباحث دونون منتشر ہو گئے ہین، اور کتاب کے اصل مقصد کو بھی نقصان پہنچا ہے، مگر ان خامیون اور
فروگذاشتون کے باوجود مصنف کا مقصد صحیح اور ان کی نیت نیک ہے، اور بعض تاریخی غلطیون سے قطع نظر اس کتاب مین
اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ نہین ہے، اور اسلامی اور دینی حمیت مصنف کی تحریرون مین نمایان ہے، خصوصاً مکہ مکرمہ
اور مدینہ منورہ کی حاضری کے وقت ان مین جو جذبات پیدا ہوئے ہین اور ان پر جو کیفیتین طاری ہوئی ہین وہ ان کے جذبۂ
ایمانی کی شاہد ہین، اور جو انشاء اللہ میزان عدل مین ہلکی نہ ثابت ہون گی، ان کی کامیابی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان
عقائد کے اعتبار سے ان کا شمار سنیون مین ہو سکتا ہے اور غالباً شیعہ ان کو شیعہ ماننے کے لئے تیار نہ ہون،

کس کی منت مین گنون آپ کو تبلا دے شیخ | تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان مجھ کو

مطبوعات جدیدہ

اقبال کی کہانی کچھ ان کی اور کچھ میری زبانی

از جناب ڈاکٹر ظہیر الدین صاحب جامعی تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد: [illegible]

اشاعت محل، ڈیوڑھی صادق جنگ کالی کمان حیدرآباد دکن،

اس کتاب کے نام سے بظاہر دھوکا ہوتا ہے کہ اس مین اقبال کے ذاتی حالات اور ان کے اقوال و
ملفوظات ہون گے، لیکن اس مین مسلمانون کے انحطاط و زوال اور ان کی پستی و زبون حالی کے اسباب اور ان کی
اصلاح و تجدید سے متعلق اقبال کے بعض اشعار و تعلیمات کی وضاحت و تشریح کی گئی ہے، اس شرح سے
اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے کلام اقبال کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے، اور مسلمانون کے تنزل و ترقی کے
متعلق اقبال کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ تحریر کر دیا ہے، اور اس حیثیت سے یہ کتاب مفید اور قابل قدر
ہے، مگر اس سلسلہ مین انھون نے زیادہ زور تصوف اور ملائیت کی مخالفت مین صرف کیا ہے، اقبال نے
بلاشبہ ان دونون چیزون کی مخالفت کی ہے، مگر اس سے ان کی مراد عجمی اور خانقاہی تصوف اور علمائے سوء
کی جہالت ہے، اسلامی تصوف تو روح شریعت ہے، اور اسلام کا پایہ ہمیشہ علمائے حق ہی نے سنبھالا ہے،
جس کا اعتراف خود اقبال کے کلام مین جابجا ہے، بلکہ اس پر ان کی مستقل نظمین موجود ہین، اس لئے ان دونون
مین فرق و امتیاز کرنا ضروری ہے، مگر مصنف نے مطلق تصوف اور ملائیت کی مخالفت اس انداز سے
کی ہے جس سے پڑھنے والے پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اسلام اور مسلمانون کی تباہی کا تنہا سبب تصوف اور
علما ہین، اور ان پر تنقید کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ بھی متانت سے گرا ہوا ہے، اسی طریقہ سے

قرآن مجید پر عمل کی اجمالی تلقین تو کی ہے مگر اس کا صحیح طریقہ اور اس کا مقصود و منشا، واضح نہیں کیا ہے، اور زیادہ تر لفاظی سے کام لیا گیا ہے، آج کل اسلامی تعلیمات کی عجیب و غریب تاویلیں کیجاتی ہین، اس لئے اُن کی صحیح تشریح ضروری ہے، درحقیقت کسی تعلیم کو پوری طرح سمجھنے اور اس کی تشریح کرنے کے لئے اس کے سارے اجزاء اور تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھنا ضروری ہے، اور نا دھوری تعلیم یا کسی ایک پہلو پر زور دینے سے ہمیشہ نقصان پہنچا ہے، اقبال نے مختلف زمانون میں مختلف حالات و اثرات کے ماتحت مختلف قسم کے خیالات ظاہر کئے ہین، اگر ان مین ربط قائم کئے بغیر محض کسی ایک خیال کو لے لیا جائے، تو اس سے نہ صرف اُن کے کلام مین تضاد نظر آئے گا، بلکہ اُن کی تعلیمات اور ان کے افکار و تصورات کی غلط ترجمانی ہو گی، مصنف کی سخن فہمی سے انکار نہیں، مگر اس کتاب سے تو کلام اقبال کے مطالعہ مین اُن کے دعوی یکتائی کا کوئی ثبوت نہین ملتا، ان کا خطیبانہ طرز تحریر بھی ایسی کتابون کے لئے موزون نہین ہے جن سے مقصود عام افادہ ہو، ان کی زبان تو بڑی صاف اور سلیس ہونی چاہئے، اور مصنف نے جو زبان استعمال کی ہے، اس کا سمجھنا اوسط درجہ کے پڑھے لکھے لوگون کے لئے مشکل ہے، یہ طرز کب کا متروک ہو چکا، الہلالی اردو کا نمونہ ایک مدت کے بعد دیکھنے میں آیا، اس قسم کی زبان نے اردو کو نقصان پہنچایا ہے، مگر ان خامیون سے قطع نظر اپنے مباحث کے لحاظ سے کتاب مفید اور لائق مطالعہ ہے،

اسلام اور فطرت: مترجمہ جناب ابو تمکین افتخار احمد صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت مجلد ۱- عار، پتہ: گاہ ۱- عباسی کتب خانہ جونا مارکیٹ کراچی،

یہ کتاب مصر کے مشہور عالم شیخ علی عبدالعزیز شاویش کی تالیف الاسلام دین الفطرۃ کا ترجمہ ہے، اس مین ان غلط فہمیون کا ازالہ کیا گیا ہے، جو یورپ مین اس کے دور جہالت سے اسلام کے متعلق پھیلی ہوئی ہین

اور خصوصیت کے ساتھ کاؤنٹ ہنری ڈی کاسٹری کی کتاب "اسلام" مین اسلام اور مسلمانون کے متعلق جو افسانے اور خرافات پائے جاتے ہین، اُن کی تردید کی گئی ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام کے عقائد و تعلیمات فطرتِ انسانی سے کس قدر قریب ہین، اور قرآن مجید سے مسلمانوں کی غفلت اور غیر محتاط مفسرین نے اس کی تفسیر مین عقل سے بعید افسانے شامل کر دیئے ہین، ورنہ اسلام ایک فطری مذہب ہے، اس کی دعوت اور اس کے اصول عالمگیر ہین، پھر غزوات نبوی کی روشنی مین اسلام کی جبری اشاعت، اور توکل، غلامی، تعدد ازدواج اور طلاق وغیرہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، اُن کی تردید کی گئی ہے، یہ کتاب کے مباحث کا اجمالی خلاصہ ہے، اس قبیل کے اور مختلف مباحث پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، ترجمہ صاف و سلیس ہے، اور جن مسائل مین لائق مترجم کو مصنف کے خیال سے اختلاف تھا، اس کو حاشیہ مین ظاہر کر دیا ہے،

تجلیات مدینہ: مؤلفہ جناب مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۶ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عار، پتہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو اردو بازار جامع مسجد دہلی نمبر ۶،

یہ کتاب مدینہ طیبہ اور مسجد و روضہ نبویؐ کی زیارت کے فضائل پر لکھی گئی ہے، اور اس فضیلت کے وجوہ و اسباب پر اس کے متعلق احادیث نبوی اصحابہ کرام اور صلحاء و اخیار امت کے عمل اور مدینہ طیبہ کی حاضری اور مسجد نبوی اور روضۂ اطہر کی زیارت کے آداب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے، اور مسجد نبوی کے آثار کی تفصیل اور اس کی تعمیر کی تاریخ تحریر کی گئی ہے، اور مدینہ منورہ کے دوسرے آثار و مشاہد کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس کے مفصل فضائل تحریر کئے گئے ہین، کتاب کے آخر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اپنے مضامین کے لحاظ سے یہ کتاب گویا اردو مین شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی جذب القلوب اور شیخ ابو الحسن سمہودی کی وفاء الوفا کا خلاصہ ہے، اس قسم کی کتابین غیر معتبر روایتون

سے کم محفوظ ہوتی ہین، اس لئے یہ کتاب بھی اس سے خالی نہین ہے، مگر اپنے موضوع و معلومات کے لحاظ سے عاشقانِ رسول کے مطالعہ کے لائق ہے،

بیکران اور ستارون سے ذرون تک

ازجناب جگن ناتھ صاحب آزاد تقطیع چھوٹی ضخامت بالترتیب ۱۶۰، اور ۱۹۲ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ اور عہ، پتہ:- پہلی کتاب مکتبہ قصرِ اردو دہلی، اور دوسری مکتبہ شاہراہ دہلی سے ملے گی،

یہ دونون کتابین مشہور ترقی پسند شاعر جگن ناتھ آزاد کے کلام کا مجموعہ ہین، وہ شاعری کی علمی استعداد اور اس کا صحیح مذاق دونون رکھتے ہین، اس لئے ان کا کلام ترقی پسند شاعرون کی عام فنی خامیون اور خیالات کی بے اعتدالی سے پاک اور بہت پختہ و متوازن ہے، ان کو شاعری کی تمام متداول اصناف مین پوری قدرت حاصل ہے، وہ خوشنوا غزل سرا بھی ہین، صاحبِ فکر ناظم بھی، اور رباعی گو بھی، ان کی غزلون مین خیالات کی پاکیزگی کے ساتھ خوشگوار رنگینی کی بڑی لطیف آمیزش، اور زبان نہایت شستہ و رفتہ ہے، وہ انسانی شرافت کے جوہر سے بھی آراستہ ہین، اس لئے اُن کی شاعری مین اخلاقیات کے سبق آموز نمونے ملتے ہین، اور ان کے دل مین انسانی شرافت کے زوال اور اس کی پستی و ابتذال کا بڑا درد والم ہے، اور وہ جس طرح انگریزون کے زمانہ مین ہندوستان کی غلامی پر غمگین تھا، اسی طرح ہندوستان کی آزادی کے بعد اس کی فرقہ پرستی، ہندو مسلمانون کے بغض و عناد، ان کی وحشت و بربریت، ملک و وطن کی تباہی اُن کی خانمان خرابی، وطن کی یاد، سرمایہ دارون کے جور و ستم، غریبون کی مظلومیت، اور ناداِہون کے اقتدار پر بھی مجروح ہے، اور ان تاثرات کے ماتحت انھون نے جو نظمین کہی ہین، وہ درد و اثر مین ڈوبی ہوئی ہین، اور اس قسم کی بعض نظمون کا جواب جدید شاعری مین مشکل سے مل سکتا ہے، اس لحاظ سے ان کا کلام محض شاعری نہین ہے، بلکہ اس مین دورِ انقلاب کی بڑی سبق آموز تصویرین ملتی ہین، یہ مجموعہ اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

"م"

مکتبۂ دار المصنفین

(تاریخی کتابین)

تاریخ اسلام حصہ اول (عہد رسالت خلافت راشدہ) قیمت سے

تاریخ اسلام حصہ دوم (بنو امیہ) سے

تاریخ اسلام حصہ سوم (بنی عباس اول) سے

تاریخ اسلام حصہ چہارم (بنی عباس دوم) سے

عرب کی موجودہ حکومتین (اس کتاب مین عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور قابلِ ذکر حکومتون نجد و حجاز، عسیر و یمن اور فلسطین و شام وغیرہ کے مختصر حالات جمع کئے گئے ہین) قیمت عہ

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ صقلیہ حصہ اول (صقلیہ مین مسلمانون کے عہد حکومت کی تاریخ) قیمت: صر

تاریخ صقلیہ حصہ دوم (صقلیہ کی علمی و تمدنی تاریخ) " صر

دولتِ عثمانیہ حصہ اول (سلطنتِ عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ) قیمت: صر

دولتِ عثمانیہ حصہ دوم (فرمان روایانِ دولتِ عثمانیہ کے نظامی و تمدنی کارنامون کی تفصیل) صر

تاریخ اخلاقِ اسلام (اسلامی اخلاق کی تاریخ) عہ

(نئی کتابین)

تاریخ سندھ، (سندھ کی مفصل سیاسی، نظامی علمی و تمدنی تاریخ) قیمت:- سے

اقبال کامل (ڈاکٹر اقبال کے سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون کے اہم پہلوون کی تفصیل) قیمت:- سے

بزمِ تیموریہ (تیموری بادشاہون، شاہزادون اور شاہزادیون کے علمی ذوق، اور اُن کے دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء کے مختصر تذکرہ کے ساتھ اُن کے علمی و ادبی کمالات کی تفصیل) قیمت عہ

امام رازی (اس مین شروع مین امام فخر الدین رازی کے سوانح و حالات ہین، اس کے بعد انکی تصنیفات کی تفصیل ہے اور پھر فلسفہ و علم و کلام و تفسیر کے اہم مسائل کے متعلق ان کے نظریات و خیالات کی تشریح ہے) قیمت:- سے

بزمِ صوفیہ (اس مین عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صاحب تصنیفات صوفیہ کرام، مثلاً شیخ ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاؒ، وغیرہ کے مستند حالات اور تعلیمات ایک نئے انداز مین پیش کئے گئے ہین) قیمت:- سے